صدرِ پاکستان
جنرل محمّد ضیاء الحق

تقاریر

نواں حصّہ

یکم اکتوبر — ۳۱ دسمبر ۱۹۷۹ء

صدرِ پاکستان

جنرل محمّد ضیاء الحق

تقاریر

(نواں حصّہ)

یکم اکتوبر — ۳۱ دسمبر ۱۹۷۹ء

فہرست

پیش لفظ

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی تقاریر پر مشتمل یہ نویں جلد اکتوبر ۱۹۷۹ء سے دسمبر ۱۹۷۹ء تک کے تین ماہ پر محیط ہے۔ اس مجموعے میں مختلف مواقع پر صدر کی ۲۶ تقاریر اور دو پریس کانفرنسیں شامل ہیں۔ یہ سہ ماہی دو وجوہ سے خاص طور پر اہم ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اس دوران پاکستان میں دوسری بار عام انتخابات کے غیر معینہ التوا کا اعلان کیا گیا اور دوسری وجہ پندرھویں صدی ہجری کی دو سالہ تقریبات کا آغاز ہے۔ اس موقع پر ایک ایسا سانحہ بھی ہوا جس نے پورے عالمِ اسلام کو ہلا کر رکھ دیا۔ زیرِ نظر جلد میں ان تمام اہم واقعات کے بارے میں تفصیلی معلومات موجود ہیں۔ ۱۶ اکتوبر کو صدرِ مملکت نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے نہ صرف انتخابات کے غیر معینہ مدت تک التوا کے فیصلے کا اعلان کیا بلکہ اس فیصلے کی وجوہ کے بارے میں بھی عوام کو اعتماد میں لیا اور بتایا کہ انتخابات کے التوا سے حکومت کو جو مزید وقت ملا ہے اس میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے عمل کو مزید تیز کیا جائے گا۔ صدرِ مملکت کی اس کے بعد کی کئی تقریروں میں حکومت کے اس پروگرام کی مزید تشریح کی گئی ہے۔ ۲۷ اکتوبر کی پریس کانفرنس میں بھی صدر نے اسی طرح کے موضوعات کا تفصیلی اظہارِ خیال کیا۔ ۱۹ نومبر کو پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کی دو سالہ تقریبات کا آغاز صدرِ مملکت کے قوم سے خطاب سے ہوا جس میں صدر نے

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ کے حوالے سے مختلف نشیب و فراز کا ذکر کیا اور اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ گزشتہ نصف صدی کے دوران مسلمانوں میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی ہے اور اقوام عالم میں انہیں ان کا جائز مقام مل رہا ہے۔ ۲۰ نومبر کو خانہ کعبہ پر مسلح افراد کے قبضہ کا سانحہ ہوا جس پر پاکستان کے عوام میں شدید غم و غصہ اور تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ طرح طرح کی افواہیں پھیلیں جس سے لوگوں کے جذبات مشتعل ہوئے اور بعض لوگوں نے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کو آگ لگا دی۔ حکومت نے بر وقت کارروائی کر کے سفارت خانے اور اس کے عملے کو بچایا۔ اسی شام صدرِ مملکت نے قوم سے خطاب کیا اور حرمِ کعبہ پر مسلح افراد کے قبضے سے متعلق لوگوں کو مصدقہ اطلاعات سے آگاہ کیا۔ صدر کی اس تقریر کا لوگوں پر فوری اثر ہوا۔ ۲۵ نومبر کو حرم کعبہ پر قابض تمام افراد نے ہتھیار ڈال دیئے جس پر پورے عالم اسلام میں اطمینان کا سانس لیا گیا، پاکستان میں شکرانے کی نمازیں پڑھیں گئیں۔

نویں جلد میں شامل تقریروں سے مندرجہ بالا اہم واقعات کے علاوہ خارجہ تعلقات، مختلف شعبوں میں حکومت کی پالیسیوں اور نظام اسلام کے نفاذ کی کوششوں سے متعلق بھی حتمی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

حسب سابق اس جلد میں بھی ہر تقریر کے آغاز میں تمہیدی پیراگراف شامل کیئے گئے ہیں جن میں متعلقہ تقریب یا موقع کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ کتاب کے آخر میں حروفِ تہجی کی ترتیب کے ساتھ اہم موضوعات اور شخصیات کا اشاریہ بھی دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ مجموعہ پاکستان کے معاملات سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب اور تاریخی دستاویزات کے شائقین کے لئے خاص طور پر مفید ثابت ہو گا۔

(ادارہ)

آرمی سینیئر برن ہال ایبٹ آباد کی سالانہ تقریب سے خطاب

۳ اکتوبر ۱۹۷۹ء

صدر مملکت، جنرل محمد ضیاء الحق نے ۳ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو ایبٹ آباد میں آرمی سینیئر برن ہال سکول کا درجہ انٹرمیڈیٹ کالج تک بڑھانے کا اعلان کیا۔ صدر کی تقریر سے پہلے سکول کے پرنسپل بریگیڈیئر بشیر احمد ملک نے سالانہ رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ ادارے کی تاریخ میں پہلی بار اس کے طلبہ کا نتیجہ گزشتہ دو سال سے سو فی صد آ رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ادارے کے تمام طلبہ قرآن ختم کر چکے ہیں اور پانچوں وقت پابندی سے نماز پڑھتے ہیں۔

سنیئر برن ہال سکول دو سال قبل آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ کی تحویل میں لیا گیا تھا۔ اس سے پہلے یہ سکول ایک مشنری ادارے کے تحت چل رہا تھا اور کچھ عرصے سے اس کے حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ پرنسپل نے اپنی رپورٹ میں اس ترقی کا بھی ذکر کیا جو آرمی ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ کی تحویل میں آنے کے بعد اس ادارے نے کی ہے۔ تقریب میں ڈائریکٹر آرمی ایجوکیشن، بریگیڈیئر نصیر الدین اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام نے بھی شرکت کی۔

صدرِ مملکت نے اپنی تقریر میں ادارے کے حالات میں بہتری کو سراہتے ہوئے کہا کہ اس ادارے کو نئی روایات قائم کرنی ہیں تاکہ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ اپنی تاریخی و تمدنی روایات کے امین ہوں اور اسلام اور پاکستان کی خدمت کا سچا جذبہ رکھتے ہوں۔ صدرِ مملکت نے پاکستان کے نظامِ تعلیم کو نظریۂ پاکستان اور اسلامی تصورحیات سے ہم آہنگ بنانے کی ضرورت پر تفصیل سے

اظہارِ خیال کیا۔ اس موقع پر صدرِ مملکت نے اس ادارے کی اعانت کے لئے کئی اقدامات کا اعلان کیا اور کہا کہ کالج کے احاطے میں مسجد کی تعمیر کے تمام اخراجات حکومت ادا کرے گی۔ صدر نے کالج کی لائبریری کیلئے بھی ایک لاکھ روپے کی گرانٹ کا اعلان کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

ڈائریکٹر آرمی ایجوکیشن، بریگیڈیئر نصیر الدین،
پرنسپل سینیئر برن ہال، بریگیڈیئر بشیر احمد ملک،
اساتذہ کرام،
عزیز طلباء
اور
خواتین وحضرات!

السلام علیکم۔ سب سے پہلے میں اس ادارے کے پرنسپل، اساتذہ اور طلباء کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے آج کی تقریب میں شرکت کی دعوت دے کر مجھے اس ادارے کو قریب سے دیکھنے اور آپ سے ملنے کا موقع فراہم کیا۔ میں نے آج آپ کی مصروفیات کی جو جھلکیاں دیکھی ہیں میں ان سے بہت خوش ہوا ہوں۔ میری خواہش اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس درس گاہ کو نئی کامرانیوں سے ہمکنار کرے۔

میں نے پرنسپل صاحب کی تقریر غور سے سُنی ہے۔ انہوں نے اپنی کارکردگی بتانے کے ساتھ ساتھ ہمارے نظامِ تعلیم اور اس میں اسلامی اور پاکستانی نقطۂ نظر کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے اور یوں جو باتیں مجھے کہنی تھیں، انہوں نے خود کہہ دی ہیں۔ میرے لئے اب یہی راستہ رہ گیا ہے کہ میں قومی موضوعات پر اظہارِ خیال کرنے کی بجائے برن ہال کے متعلق کچھ عرض کروں۔

سچی اور کھری بات یہ ہے کہ برن ہال سکول کی موجودہ شہرت وہی چلی آ رہی ہے جو اس سے پہلے غیر ملکی مشنری اساتذہ نے قائم کی تھی۔ اگرچہ چند سال پہلے اس ادارے کے حالات بہت خراب ہو گئے تھے، لیکن اس کی ماضی کی شہرت اتنی اچھی تھی کہ لوگ برن ہال کا نام سنتے ہی ستائش کا اظہار کرنے لگتے تھے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ فوج کی تحویل میں آنے سے اس ادارے میں کیا تبدیلیاں آئی ہیں اور اس کی نئی شہرت اس کی پرانی شہرت سے کتنی مختلف ہے۔

برن ہال کو عسکری تحویل میں لینے کا مقصد صرف غنڈہ گردی ختم کرنا اور نظم و ضبط بحال کرنا نہیں تھا بلکہ ہمارے پیشِ نظر یہ مقصد تھا کہ ہمارے بچے غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رہ کر یہاں اپنے تاریخی اور تمدّنی ماحول میں پروان چڑھیں۔ ان کے ذہنوں کو ایمان اور آگہی کے شفاف پانیوں سے دھو کر اسلامی روایات سے منور کیا جائے اور جب وہ یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلیں تو وہ صحیح معنوں میں اسلام اور پاکستان کے سچے خادم ثابت ہوں۔

مجھے معلوم ہے کہ یہ مقاصد حاصل کرنے کے لئے دو سال بالکل ناکافی ہیں۔ اس قلیل عرصے میں صرف ابتدائی تطہیر ہی کی جا سکتی ہے، مکمل عمارت تعمیر کرنے کے لئے مزید وقت درکار ہے۔ اگر آپ کو پچھلے دو سالوں پر نظر ڈالنے سے طمانیت کا احساس ہوتا ہے تو آگے اپنی منزل کی طرف دیکھنے سے آپ کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ آپ کا سفر بڑا طویل اور کٹھن ہے۔ اس

ہیں امیدوں کے دلکش سبزہ زار بھی ہیں اور صبر آزما لمحوں کے خار زار بھی! اس سفر پر چلنے کے لئے ایک سچے مومن اور محبِ وطن پاکستانی کی ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اگر آرمی ایجوکیشن کور اور برن ہال کے اساتذہ اور طلباء نے اپنا مشن جاری رکھا تو وہ ضرور اپنی منزل پا لیں گے، اور برن ہال جلد ہی ایک خالص پاکستانی درسگاہ کی حیثیت سے ایک اعلیٰ اور منفرد مقام حاصل کر لے گا۔

اگر ہمارے تعلیمی نظام کی بنیاد شروع ہی سے ملّی تقاضوں، قومی نظریات اور اسلامی اقدار پر رکھی جاتی تو آج ہم ایک ایسی نسل تیار کر چکے ہوتے جو آزاد اور خود مختار مملکت کے تقاضوں پر پورا اُترتی اور ہماری آزادی اور قومی جمعیت کی سچی نگہبان ہوتی۔ قابلِ غور اور کسی حد تک قابلِ افسوس ——— بات یہ ہے کہ آج سے ۳۲ سال پہلے ہم نے حکومت تو غیروں سے لے لی اور سیاسی طور پر آزادی بھی حاصل کر لی، لیکن وہ بنیادی مراکز جو کسی ملک کے لئے صالح اور بالغ نظر افراد مہیّا کرتے ہیں، وہ ذہنی یا انتظامی لحاظ سے غیروں کے قبضے میں ہی رہنے دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ابھی تک نہ اپنے معاشرتی نظام کو اپنی ضروریات اور روایات کے مطابق ڈھال سکے ہیں اور نہ ہی ملک میں سنجیدہ قومی فکر کو فروغ دے سکے ہیں۔ میرے خیال میں وہ نظریۂ تعلیم جو غیر ملکی افکار پر مبنی ہو، نہ تو قوم کو نظریاتی استحکام بخش سکتا ہے اور نہ اس کے مقاصد کے حصول میں مدد دے سکتا ہے۔ عارضی فوائد کے حصول کے لئے بنایا ہوا نظامِ تعلیم افراد کو ملازمت کا اہل تو بنا سکتا ہے، قومیں تعمیر نہیں کر سکتا۔ ایسا نظام صرف خود غرض افراد کو ذاتی مفاد کا پرستار بناتا ہے۔ جب کہ ہمارا مقصد ایک پاکیزہ معاشرتی نظام قائم کرنا، قرآنی تصورِ حیات کو فروغ دینا اور ایک نئی اسلامی مملکت کی تعمیر کرنا ہے۔ جو نظامِ تعلیم قوم کے جوانوں میں اخلاقی جرأت، فکری اجتہاد، جذبۂ ایجاد اور تحقیق و تجسس پیدا نہیں کرتا وہ تعلیم نہیں، افیون ہے۔ تعلیم کا

کام صرف نصابی معلومات مہیا کرنا نہیں بلکہ انہیں اس قابل بنانا ہے کہ وہ نہ صرف جدید سائنسی اور معاشرتی علوم سے بہرہ ور ہوں بلکہ ان کا فکر و عمل قرآنی تصورِ حیات کے عین مطابق ہو تاکہ جب وہ عملی زندگی میں اتریں تو اپنے معاشرتی نظام کو اپنی تخلیقی فکر اور قوت سے نکھار سکیں۔

ہمارے ملک میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جو تعلیمی ادارے مذہبی علماء کے ہاتھ میں چلے جاتے ہیں ان پر مذہب کی چھاپ اتنی گہری ہو جاتی ہے کہ وہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء عموماً دنیوی علوم سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ اسی طرح اگر ایک ادارہ فوج کے زیرِ اہتمام آجاتا ہے تو وہاں صرف فوجی ساخت کے نوجوان تیار ہونا شروع ہو جاتے ہیں جن کے لیے بوجوہ دوسرے شعبوں میں جذب ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ ملٹری کالج جہلم جیسے بعض تعلیمی ادارے جو خالص فوجی مقاصد کے لئے قائم کئے گئے ہیں، ان کا معاملہ دوسرا ہے لیکن برن ہال کی طرح پبلک سکول کے طرز پر چلنے والے اداروں کے لئے لازم ہے کہ وہ نئی نسل کی جسمانی اور ذہنی تربیت اس طرح کریں کہ فارغ التحصیل ہونے والے طلباء پر ایک اور صرف ایک چھاپ ہو ——— یعنی خالص پاکستانی چھاپ! وہ جس شعبے میں بھی جائیں اسلامی اور پاکستانی اقدار ساتھ لے کر جائیں۔ وہ عسکری شعبے میں جائیں تو اسلام کے سچے سپاہی ثابت ہوں، وہ صنعت میں جائیں تو متقی ہوں، وہ سائنسی میدان میں قدم رکھیں تو سچے قافلۂ سالار ثابت ہوں، وہ سول سروس میں شامل ہوں تو ملک و قوم کے سچے خادم ہوں۔ گویا وہ جہاں بھی جائیں قومی شعور اور جذبۂ ایثار و وفا ان کا رفیقِ راہ ہو۔

مجھے خوشی ہے کہ برن ہال میں طالب علموں کی تعلیم و تربیت کا ڈھانچہ کم و بیش انہی خطوط پر تیار کیا گیا ہے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ مجھے اس بات سے خاص طور پر مسرت حاصل ہوئی ہے کہ یہاں قرآنِ حکیم کی ناظرہ تعلیم کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس سے یقیناً وہ کمی پوری

ہو جائے گی جو عموماً جدید درس گاہوں میں محسوس کی جاتی ہے۔ ان اداروں کے متعلق اکثر یہ سننے میں آیا ہے کہ وہ طلباء کو جدید علوم سے تو آراستہ کر دیتے ہیں، لیکن مذہب سے اتنا ہی دور کر دیتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ برن ہال کے طلباء کے کردار، افعال اور اعمال میں وہ چمک اور وہ لگن ضرور نظر آئے گی جو صرف اسلامی تعلیمات سے پیدا ہوتی ہے۔

میں اس ادارے میں زیر تربیت طلباء کو بھی تاکید کروں گا کہ وہ اس کے عمدہ ماحول، اعلیٰ معیارِ تعلیم اور صحیح اسلامی نظریئے کی ترویج سے پُورا پُورا فائدہ اٹھائیں، ورنہ اگر انہوں نے آج یہ وقت گنوا دیا تو پھر انہیں کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔

میں اس ادارے کی کارکردگی دیکھ کر بہت خوش ہوا ہوں اور اس سکول کو کالج کا درجہ دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ جونیئر برن ہال سے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جو بچے سینئر برن ہال میں انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کریں گے، وہ نہ صرف اعلیٰ تعلیم کے لئے پوری طرح تیار ہو چکے ہوں گے بلکہ اگر وہ عملی زندگی میں بھی قدم رکھنا چاہیں گے تو بھی اپنے آپ کو بنیادی صلاحیتوں سے آراستہ پائیں گے۔

میں نے پرنسپل صاحب کی تقریر میں جب کالج کی تکالیف کا ذکر سُنا تو میرا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور یہ مالی امداد مانگنے کی تمہید ہے، لیکن یہ سُن کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ انہوں نے ملک کے محدود مالی وسائل کا خود اعتراف کیا ہے اور ایک سچے استاد کی طرح طلباء کو قومی امانت اور ان کی تعلیم و تربیت کو ایک قومی فریضہ سمجھتے ہوئے مشکلات کے باوجود اپنے فرائض پوری لگن سے انجام دینے کا عہد کیا ہے۔ میں پرنسپل صاحب کے حوصلے اور لگن کی داد دیتا ہوں اور دعا دیتا ہوں کہ وہ اس عہد پر پورے اتریں —— ان کی مشکلات میں تھوڑی سی کمی کرنے کے لئے میں چند اقدامات کا اعلان کرتا ہوں:-

۱۔ کالج کے جتنے رہائشی منصوبے پرنسپل صاحب کے پیشِ نظر ہیں، انہیں پورا کرنے

کے لئے ممکن حد تک تمام وسائل مہیا کئے جائیں گے۔ البتہ اس بارے میں میری اتنی سی سفارش ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو شاہانہ رنگ دینے کی بجائے کم سے کم ضرورت کی بنیاد پر منصوبہ تیار کریں اور اسے ایک ہی مالی سال میں پورا کرنے کی بجائے چند سالوں تک پھیلا دیں۔ موجودہ مالی سال میں جو مدد ممکن ہوئی وہ بلا تاخیر مہیا کی جائے گی اور اگلے مالی سال کے بجٹ میں اس کالج کی آئندہ ضروریات کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔

۲۔ کالج کے احاطے میں مسجد تعمیر کرنے کے لئے تمام اخراجات حکومت پورا کرے گی۔

۳۔ کالج کی لائبریری کے لئے میں ایک لاکھ روپے کی خصوصی گرانٹ کا اعلان کرتا ہوں۔

۴۔ سکول سے کالج کا درجہ ملنے پر برن ہال کو جن دوسری ضروریات کا سامنا کرنا پڑے گا، ان کا جائزہ بورڈ آف گورنرز لے گا اور حکومت بورڈ کی سفارشات پر ہمدردانہ غور کرے گی۔

میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس ادارے میں آنے اور یہاں کے طلباء اور اساتذہ سے متعارف ہونے کا موقع دیا۔ مجھے اُمید ہے کہ آرمی برن ہال کالج نہ صرف جلد از جلد دوسرے کالجوں کا ہم پلہ ثابت ہوگا بلکہ اپنے لئے ایک ممتاز اور منفرد مقام بھی پیدا کرلے گا۔ فوج اس ادارے کی ہر طرح سرپرستی کرتی رہے گی۔

پاکستان پائندہ باد

قائدِ اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد میں شریعت فیکلٹی کی افتتاحی تقریب سے خطاب

۸ اکتوبر، ۱۹۷۹ء

۸ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے قائدِ اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد میں شریعت فیکلٹی کے افتتاح کی تقریب سے خطاب کیا۔ یہ فیکلٹی قرآن وسنت اور قانونِ شریعت سے گہری واقفیت اور جدید علم قانون میں مہارت رکھنے والے ایسے افراد کی تربیت کے لئے قائم کی گئی ہے جو نہ صرف موجودہ قوانین کے غیر اسلامی حصوں یا پہلوؤں کی نشاندہی کر سکیں بلکہ متبادل اسلامی قانون تجویز کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔ پاکستان میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں اس فیکلٹی کا قیام بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

صدرِ مملکت کی تقریر سے پہلے جناب اے۔ کے۔ بروہی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور فیکلٹی کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ آج کے حالات میں شریعت کے اطلاق کے ذریعے پیچیدہ مسائل کا حل دریافت کرنا امتِ مسلمہ کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ فیکلٹی قائم کی گئی ہے۔ جناب بروہی نے بتایا کہ قائدِ اعظم یونیورسٹی میں ۱۴ ایکڑ رقبے پر ایک نیا بلاک تعمیر کیا جا رہا ہے جس میں شریعت فیکلٹی، انسٹی ٹیوٹ آف ریلیجیس افیئرز اور ایک لائبریری قائم کی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ اس پورے منصوبے پر پچیس کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے شریعت فیکلٹی کے لئے تعمیر ہونے والے نئے بلاک کا سنگِ بنیاد رکھا۔ ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ اور دوسرے دوست ممالک کی امداد وتعاون سے قائم ہونے والے اس ادارے کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے صدرِ پاکستان نے ملک میں اسلامی نظام کے

نفاذ کے لئے عملی اقدامات کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ ہم نے اسلام کے نام پر ایک ملک تو حاصل کر لیا، لیکن آزادی کے بعد اس پر عمل کرنے کے لئے کچھ نہ کیا۔ صدر نے اپنی تقریر میں اسلام اور نظریۂ پاکستان پر صدقِ دل سے عمل کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے نظامِ اسلام کے نفاذ کے لئے حکومت کی کوششوں کا ذکر کیا اور کہا کہ شریعت فیکلٹی کا قیام اس سلسلے کی کڑی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اسلام کے نظامِ عدل کو چلانے کے لئے صالح کردار اور صحیح معلومات رکھنے والے افراد کی بنیادی اہمیت ہے اور ایسے افراد پیدا کرنے کی ذمہ داری شریعت فیکلٹی کو سونپی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ

معزز خواتین و حضرات!

میں جناب بروہی صاحب اور قائدِ اعظم یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور ان کے رفقاء کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس مبارک تقریب میں شرکت کی دعوت دی۔ میں اس دعوت کو دلی تشکر اور اسلام کے لئے جذبۂ خدمت کے تحت قبول کرتے ہوئے حاضر ہوا ہوں۔ اگر میری موجودگی سے اس فیکلٹی کے عروج اور ترقی میں مدد مل سکے تو مجھے اس سے زیادہ اور کیا خوشی ہو گی۔

اس فیکلٹی کا قیام ہماری ان مجموعی کوششوں کا ایک حصہ ہے جو ہم ملک میں اسلامی نظام رائج کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ نظریاتی ملک اپنے بنیادی نظریے پر کاربند رہ کر ہی قائم اور دائم رہ سکتا ہے۔ نظریاتی ممالک کے لئے نظریہ ملبوس کا ایک حصہ نہیں ہوتا جو بدلتے ہوئے فیشن کے مطابق بدلا جا سکے بلکہ یہ اس ملک کی روح ہوتی ہے جس کے بغیر اس کا جسم بے جان اور بیکار ہو جاتا ہے۔ میں اس موضوع پر کئی بار تفصیلاً اظہارِ خیال کر چکا ہوں۔ اس موقع پر صرف اتنی تاکید کرنا چاہتا ہوں کہ

پاکستان کا نظریہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ اس بارے میں کسی کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔ ہمیں صدقِ دل سے اسلام کو پاکستان کے بنیادی نظریے کے طور پر قبول کر کے اسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا جزو بنانا چاہیئے ورنہ نہ صرف یہ ملک غیر دینی نظریات کی زد میں آجائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ بھی ہمیں نااہل پا کر اپنے کام کے لئے کسی اور قوم کو منتخب کرے گا۔ یہ میرا وہم نہیں بلکہ تاریخ کا سبق ہے اور قرآنِ پاک میں ایسی کئی قوموں کی عبرت ناک داستانیں درج ہیں جو راہِ راست سے ہٹ کر ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو گئیں۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے اسلام کے نام پر ایک علیٰحدہ ملک تو حاصل کر لیا لیکن آزادی کے بعد اس پر عمل کرنے کے لیے کچھ نہ کیا۔ ہم کہتے کچھ رہے اور کرتے کچھ رہے ہماری تقریروں میں اسلام کا نام تو وقتاً فوقتاً آتا رہا لیکن ہمارے اعمال غیر اسلامی اقدار کی نمائندگی کرتے رہے۔ پھر چند سال پہلے وہ وقت بھی آیا جب اسلام کا نام لینا بھی باعثِ شرم سمجھا جانے لگا اور اس مملکتِ خداداد میں لادینی اور غیر اسلامی نظریات کا کھلم کھلا چرچا ہونے لگا۔ میرے خیال میں اس سے بڑھ کر ملک کے ساتھ اور کوئی بددیانتی نہیں ہو سکتی کہ اس کے بنیادی نظریّے سے انحراف کر کے کسی غیر ملکی فلسفے یا ازم کو یہاں متعارف کرانے کی کوشش کی جائے۔

آج سے دو ڈھائی سال پہلے اس ملک میں جو احتجاجی مظاہرے ہوئے، میرے خیال میں وہ بنیادی طور پر انہی غیر اسلامی رجحانات کے خلاف ایک آواز تھے۔ وہ اس بات کا اعلان کرتے تھے کہ جو قوم غیر مسلم حریفوں اور غیر ملکی سامراجی طاقتوں سے اسلام کے نام پر ایک علیٰحدہ مملکت حاصل کر سکتی ہے وہ کسی پارٹی یا لیڈر کو یہ اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ ان کی کوششوں اور قربانیوں سے قائم کئے گئے ملک میں غیر اسلامی اقدار

کو فروغ دینے کی کوشش کرے۔ یہ قوم خطا کار سہی، لیکن اسلام کی سچی خیر خواہ ہے یہ گناہگار سہی لیکن اسلام کی شیدائی ہے۔ یہ اسلام کے نام پر بڑی سے بڑی قربانیاں دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہی ہے اور انشاءاللہ تیار رہے گی۔

قوم کے انہی جذبات کی غمازی کرتے ہوئے موجودہ حکومت نے ابتداء ہی سے نہ صرف اسلام سے اپنی وابستگی کا برملا اظہار کیا بلکہ اسلامی نظام نافذ کرنے کی کوششیں بھی شروع کیں۔ یہ کوششیں کہاں تک کامیاب ہوئی ہیں اور کہاں تک ہم ناکام رہے ہیں، اس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں بھی محسوس کرتا ہوں کہ جتنا کچھ میں کرنا چاہتا تھا یا جتنا کچھ مجھے کرنا چاہیئے تھا اتنا نہیں کر سکا، لیکن سرسری جائزہ لینے سے بھی گزشتہ دو سالوں میں ایک واضح تبدیلی کا احساس ہوتا ہے۔ حکومت کی پالیسیوں، ذرائع ابلاغ کے استعمال اور خود میری تقریروں سے ملک میں ایسا ماحول پیدا ہو گیا ہے کہ اب لوگوں کو اسلام کا نام لیتے ہوئے کوئی شرمندگی اور حجاب محسوس نہیں ہوتا بلکہ وہ برملا اس سے اپنی لگن کا پہلے کی طرح پھر اظہار کرنے لگے ہیں۔

ہم نے آج دو سال پہلے جب اس نیک کام کی ابتداء کی تو احساس ہوا کہ ماضی میں ہم کہلاتے تو اسلامی جمہوریۂ پاکستان رہے ہیں لیکن پاکستان کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے سرے سے کوئی کام نہیں کیا گیا۔ ہم نے اس کی ابتداء اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیلِ نو اور اسے مؤثر بنانے سے کی، پھر اس کونسل نے ملکی اور غیر ملکی عالموں، قانون دانوں اور دانش وروں سے مشورہ کرنے کے بعد اپنی سفارشات مرتب کرنا شروع کیں جن پر متعلقہ وزارتوں اور کابینہ کے اجلاسوں میں غور کیا گیا اور قابل عمل سفارشات کو فیصلوں کی شکل دے کر نافذ کر دیا گیا۔ اس اہم اور تاریخی کام میں جہاں اسلامی نظریاتی کونسل، وزارتِ مذہبی امور اور وزارتِ قانون مبارک باد کی مستحق ہیں، وہاں میں حکومتِ

سعودی عرب کا بھی شکر گزار ہوں کہ اس نے اپنے ماہروں اور مشیروں کو ہماری راہنمائی کے لئے بھیجا۔ ان کے علم و فضل سے ہماری آرزوؤں کو نیا حوصلہ اور ہمارے ارادوں کو نئی تقویت ملی۔ اسلام کے ان ملکی اور غیر ملکی خادموں کی کوششوں اور تعاون سے موجودہ حکومت کے لیے یہ ممکن ہوا کہ وہ ۱۲ ربیع الاوّل کے مبارک دن پاکستان میں نفاذِ اسلام کے آغاز کا اعلان کر سکی۔

نظامِ اسلام رائج کرنے میں صرف یہ دِقت درپیش نہ تھی کہ ہمارے متعلقہ قوانین کا مسودہ تیار نہیں تھا بلکہ ایک دشواری یہ بھی تھی اور اب بھی ہے کہ ان قوانین پر عمل کرانے کے لئے تربیت یافتہ افراد دستیاب نہیں۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ہمارے ہاں اعلیٰ قانون داں بھی موجود ہیں اور ممتاز علمائے دین بھی، لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ مغربی نظامِ تعلیم کے پروردہ قانون دانوں میں بہت کم افراد ایسے ہیں جو اسلامی شریعت اور فقہ پر بھی عبور رکھتے ہوں اور دینی علوم میں بے مثال مہارت رکھنے والے علماء میں بہت کم علماء ایسے ہیں جو مروّجہ قوانین سے بھی پوری واقفیت رکھتے ہوں۔ ضرورت ایسے لوگوں کی ہے جو دونوں علوم — یعنی شریعت اور مروّجہ قوانین — پر عبور رکھتے ہوں۔ ہم ایک عبوری دور سے گزر رہے ہیں۔ ایک طرف سامراجی تقاضوں کے مطابق تیار کئے گئے پرانے قوانین ہیں اور دوسری طرف قرآن اور سنت کے اصول ہیں۔ ہمیں ایسے افراد درکار ہیں جو موجودہ قوانین کے غیر اسلامی حصّوں یا پہلوؤں کی نشاندہی کرنے کے ساتھ متبادل اسلامی قانون بھی تجویز کر سکیں اور جب اسلامی قانون نافذ ہو جائے تو وہ عملی طور پر اس کا اطلاق بھی کر سکیں۔ یہی وہ ضرورت ہے جسے پورا کرنے کے لئے شریعت فیکلٹی قائم کی گئی ہے۔

یہ فیکلٹی تربیت یافتہ افراد پیدا کرنے میں تین سال لے گی، لیکن ہم نے اس

نیک کام کو تاخیر سے بچانے کے لئے فوری طور پر بعض ججوں اور مجسٹریٹوں کو یہ کام سونپ دیا ہے کہ وہ اسلامی قوانین کے مطابق مقدمات سن کر فیصلے کیا کریں۔ اس کے علاوہ چاروں • صوبوں کی اعلیٰ عدالتوں اور سپریم کورٹ میں ایک ایک شریعت بنچ قائم کر دیا گیا ہے تاکہ وہ کسی شہری کی درخواست پر یا از خود مروّجہ قوانین کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ کر سکے کہ کون سے قوانین کس حد تک غیر اسلامی ہیں۔

ملک میں بعض حلقوں سے یہ شکایت بھی سننے میں آئی ہے کہ اسلامی قوانین کو نافذ ہوئے کئی مہینے ہو گئے ہیں، لیکن کسی بھی مجرم کو نہ اب تک سنگسار کیا گیا ہے اور نہ اس کے ہاتھ کاٹے گئے ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ شرعی قوانین کے مطابق مقدمے سننے والے جج اور مجسٹریٹ مروّجہ نظامِ قانون و عدل پر عمل کر رہے ہیں جس میں فیصلے کے خلاف متعلقہ پارٹی کو اعلیٰ عدالتوں میں اپیل کرنے کا حق بھی شامل ہے۔ جب ایک مقدمہ طویل سماعت کے بعد اعلیٰ عدالت میں اپیل کے لئے منظور کر لیا جاتا ہے تو اس میں مزید تاخیر لازمی ہو جاتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام نے جہاں سنگین جرائم کے لئے عبرت ناک سزائیں مقرر کی ہیں وہاں اس نے جرم ثابت کرنے کے لئے بڑی کڑی شرطیں بھی رکھی ہیں۔ اور کسی مجرم پر "حدود" اس وقت تک نافذ نہیں کی جاسکتیں جب تک اس جرم کو ثابت کرنے کے لئے اسلام کی مقرر کردہ شرائط پوری نہ کی جائیں۔ ہمارے ہاں بلکہ کسی بھی معاشرے میں ان شرائط کو پورا کرنا بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں گواہی میں ذرا سی خامی آئی یا جرم میں شبہ ہوا، مجرم اسلامی حدود سے بچ گیا۔ اس صورت میں عدالت اسے تعزیرات کے تحت سزا دیتی ہے۔ میرے خیال میں اسلام کے ایک عظیم اور رفاہی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس نے سزاؤں کے طریقے کو مشکل بنا کر معاشرے کو اپاہج بنانے کی تمام کوششوں کا سدِّباب کر دیا ہے۔

اسلام کے نظامِ عدل کو چلانے کے لئے صالح کردار اور صحیح معلومات رکھنے والے افراد بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ افراد پیدا کرنے کی ذمہ داری شریعت فیکلٹی کو سونپی گئی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ قائدِ اعظم یونیورسٹی اور خاص طور پر یہ فیکلٹی قوم کی ان اُمیدوں پر پوری اترے گی۔ یہ فیکلٹی قائدِ اعظم یونیورسٹی کے شعبوں میں محض ایک اور اضافہ نہیں بلکہ میں اس کو قومی اور اسلامی نظام میں بہت اہم درجہ دیتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ یہاں یونیورسٹی کے دوسرے شعبوں کی طرح نعرہ بازی اور سیاست کی بجائے صحیح اسلامی ماحول قائم ہوگا۔ یہاں پر زیرِ تربیت لڑکے نہ صرف ضروری علوم سے واقفیت حاصل کریں گے بلکہ اپنے کردار میں وہ متانت، لگن اور جذبہ بھی پیدا کریں گے جس کے بغیر انہیں عملی زندگی میں اپنے فرائض انجام دینا مشکل ہوگا۔

میں چاہتا ہوں کہ یہ فیکلٹی اسلامی فقہ، اسلامی قانون اور عام قوانین کے تقابلی مطالعے کا ایسا مرکز بنے کہ باقی تعلیمی ادارے اسے ایک نمونہ سمجھ کر اس کی تقلید کرسکیں۔ اس ادارے کے قیام میں ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ اور دوسرے دوست ممالک نے جو مدد کی ہے، میں ان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں نصاب کی ترتیب و تدوین سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ یہ فیکلٹی اور قائدِ اعظم یونیورسٹی اسلامی قانون کو از سرِ نو زندہ کر کے اسے عہدِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے، مناسب اساتذہ، طلبا، اور ریسرچ اسکالر تلاش کرنے کے جن مشکل مراحل کو طے کرنے میں مصروف ہے مجھے ان کا پورا پورا احساس ہے۔ اگر ہمارے مقاصد نیک اور کوششیں مخلصانہ ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور کامیاب فرمائے گا۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

"جو ہماری راہ پر چلتے ہیں، ہم انہیں اپنا راستہ دکھاتے ہیں۔"

جہاں تک میرا تعلق ہے، میں اپنی اور اپنی حکومت کی جانب سے آپ کو مناسب اساتذہ اور موزوں عملے کی فراہمی کے لئے ہر ممکن امداد کا یقین دلاتا ہوں تاکہ آپ اس فیکلٹی کی تعمیر و ترقی کے کام کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

فیکلٹی کی مجوزہ عمارت کے لئے آپ نے جس دلکش مقام کا انتخاب کیا ہے وہ انشاء اللہ شریعت کی تعلیم وتحقیق جیسے عظیم علمی کارناموں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ عمارت اساتذہ، مہمان سکالروں، طلبا اور اسٹاف کی تعلیمی اور رہائشی ضروریات کو احسن طور پر پورا کرے۔ ساتھ ہی ساتھ میری یہ بھی تمنا ہے کہ یہ عمارت ہماری تہذیب کی عکاسی کرے اور ہمارے فنِ تعمیر کا شاہکار بھی ہو۔ ہماری مالی مشکلات کے باوجود یہ تعمیراتی منصوبہ حکومت کی اوّلین اور فوری توجہ کا مستحق ہوگا۔

بعض لوگوں کو شک ہے کہ موجودہ حکومت کے جانے کے بعد اسلامی نظام رائج کرنے کی یہ ساری کوششیں ختم ہو جائیں گی۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم نے اس نیک مقصد کے لئے جو ابتدا کی ہے، اسے ختم کرنا کسی حکومت کے بس میں نہ ہوگا۔ میرے اس اعتماد کے دو سرچشمے ہیں۔ ایک خدا تعالیٰ اور دوسرے عوام۔ ہمارے عوام جو اسلام کے لئے بے پناہ محبت رکھتے ہیں، کسی حکومت کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ اسلامی نظام کے نفاذ سے انحراف کرے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ بھی اس حکومت کو زیادہ مہلت نہیں دے گا جو اس کے دین کے فروغ میں خلل ڈالنے کی کوشش کرے گی۔

میری دعا ہے کہ آج جس منصوبے کا آغاز کیا جا رہا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کامیابی سے ہمکنار فرمائے اور ہمیں اسلام کی خدمت کے لئے زیادہ سے زیادہ توفیق

عطا فرمائے۔

آخر میں، میں جناب اے۔ کے۔ بروہی، وائس چانسلر اور ان کے رفقائے کار کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے مختصر مدّت میں اس اہم اسکیم کو عملی جامہ پہنایا۔ میں ان کی کامیابی کے لئے بھی دُعا گو ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

نفاذِ شریعت کے موضوع پر بین الاقوامی سیمینار سے افتتاحی خطاب

۹ اکتوبر ۱۹۷۹ء

۹ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام آباد میں نفاذِ شریعت کے موضوع پر تین روزہ بین الاقوامی سیمینار کا افتتاح کیا۔ اسلامی یک جہتی فنڈ کے تحت منعقدہ سیمیناروں کے سلسلے کا یہ پانچواں سیمینار تھا۔ سیمینار میں پاکستان کے علاوہ ایران، اردن، بھارت، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، کویت اور سینیگال سمیت متعدد اسلامی ملکوں کے اسکالروں نے شرکت کی۔

صدرِ مملکت کی افتتاحی تقریر سے پہلے پاکستان کے وزیر قانون و پارلیمانی امور جناب شریف الدین پیرزادہ نے اپنی تقریر میں ہجرت کے بعد کے پہلے ایک ہزار برس کے دوران دنیا میں مسلمانوں کی سیاسی، ثقافتی اور علمی بالادستی کو واضح کیا اور مغربی مصنفین کے حوالے سے سائنس اور جغرافیہ کے علاوہ قانون اور تجارت کے شعبے میں ان بنیادی اضافوں پر روشنی ڈالی جو مسلمانوں نے کئے۔

کانفرنس میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر احمد کریم گایا کا پیغام تنظیم کے اسسٹنٹ سیکرٹری جنرل جناب ظفر الاسلام نے پڑھ کر سنایا۔ جناب کریم گایا نے اپنے پیغام میں اسلامی شریعت کو صاف اور سیدھا راستہ قرار دیا۔ انہوں نے پاکستان میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے آغاز کو عظیم کام قرار دیا اور صدرِ پاکستان کو اس پر مبارک باد دی۔ جناب کریم گایا نے نفاذِ شریعت کے موضوع پر بین الاقوامی سیمینار منعقد کرنے پر حکومت پاکستان کا شکریہ ادا کیا۔

صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنی افتتاحی تقریر میں قرآن و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رشد و ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا اور کہا کہ پاکستان کا بنیادی نظریہ بھی اسلام ہے اور ہم اپنی ملی بقا کے لئے اسلام

کے نفاذ کو لازمی سمجھتے ہیں۔ صدرِ مملکت نے پاکستان کے علاوہ کئی اور ممالک میں نفاذِ اسلام کی کوششوں کا ذکر کیا اور کہا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف ممالک میں نفاذِ شریعت کے لئے جو کوششیں ہو رہی ہیں انہیں مربوط بنایا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلامی کانفرنس کے تحت ایک مستقل قانون کمیشن کے قیام کی تجویز پیش کی۔

صدرِ مملکت کے تقریباً آدھے گھنٹے کے افتتاحی خطاب کا حاضرین نے پر جوش تالیوں سے خیر مقدم کیا اور ایک مستقل قانونی کمیشن کی تجویز کو ہر وفد کی طرف سے سراہا گیا اور بعد کے ہر مقرر نے اس تجویز کی بھرپور تائید کی۔

افتتاحی تقریب میں پاکستان کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس ایس انوار الحق، وفاقی وزراء، مشیروں، ہائی کورٹوں کے چیف جسٹس صاحبان، شریعت بنچوں کے اراکین، اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین، سفارتی نمائندوں، ممتاز قانون دانوں، علماء، اور اعلیٰ سول اور فوجی افسروں نے شرکت کی۔

سیمینار کے دوسرے دن صدرِ مملکت نے شرکاء کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔

۱۱ اکتوبر کو بین الاقوامی سیمینار کے اختتام پر جو اعلامیہ جاری کیا گیا اس میں ایک مستقل قانونی کمیشن کے قیام کے لئے صدر پاکستان کی تجویز بھی شامل تھی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

معزّز خواتین و حضرات!

اسلام علیکم۔ جناب شریف الدّین پیرزادہ کی اہم تاریخی واقعات سے بھرپور تقریر اور اس کے سلسلے سے جناب ظفر الاسلام صاحب کی زبانی ڈاکٹر کریم گاگیا کے فلسفیانہ پیغامات کے بعد میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ شاید میں ان کے معیار کے مطابق آپ کے سامنے وہ تجاویز یا وہ چیزیں نہ پیش کر سکوں جس کی مجھ سے توقع ہے۔

میں یہ بتانے میں خوشی اور فخر محسوس کر رہا ہوں کہ پاکستان کی قومی اسمبلی کا یہ ہال اس سال دوسری مرتبہ اسلام کی تشہیر کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ پہلی مرتبہ اسی سال ۱۲ ربیع الاوّل کو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ اعزاز بخشا کہ میں پاکستان کے اندر نظامِ اسلام کے نفاذ کا اعلان کروں اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دوسرا موقع ہے کہ نفاذِ شریعت اسلام کے لئے ایک بین الاقوامی سیمینار اس ہال کے اندر منعقد ہو رہا ہے۔

ہم اہلِ پاکستان کے لئے "نفاذِ شریعت" کے موضوع پر اس بین الاقوامی سیمینار کی میزبانی انتہائی مُسرت اور عزت کا باعث ہے اور میں اس سیمینار کے افتتاح کو اپنے

لئے بہت بڑا اعزاز اور سعادت سمجھتا ہوں۔ ہماری کوشش ہوگی کہ یہ سیمینار منعقد کرنے کے لئے ہم پر جو اعتماد کیا گیا ہے، ہم اس پر پورے اتر سکیں۔

میں اس تاریخی تقریب میں تمام مندوبین خاص طور پر غیر ملکی علمائے کرام کو خوش آمدید کہتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ پاکستان میں ان کا قیام خوشگوار اور مفید رہے گا۔ میں یہ بھی اُمید رکھتا ہوں کہ اگر ان کے قیام کے متعلق انتظامات میں ہم سے کوئی کوتاہی یا لغزش ہو گئی ہو تو وہ اسے درگزر فرمائیں گے۔

ہم پاکستان میں اپنے آپ کو اسلام کا ادنیٰ خادم سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ہماری بقا، ہماری بہبود اور ہماری خوشحالی اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ ہم نے سامراجی دورِ حکومت میں اسلام کا پرچم بلند کیا اور اسلام کے نام پر ایک نئی مملکت کو دنیا کے نقشے پر متعارف کرایا۔ ہم نے اس مملکت کا نام چنا تو "اسلامی جمہوریۂ پاکستان" رکھا۔ اس کا دارالحکومت تعمیر کیا تو اس کا نام "اسلام آباد" تجویز ہوا۔ ہم نے آئین بنایا تو اس میں عہد کیا کہ اس ملک میں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا اور جو قوانین پہلے سے موجود ہیں، انہیں اسلام کے مطابق ڈھالا جائے گا۔

بظاہر یہ باتیں بڑی سطحی اور معمولی لگتی ہیں، لیکن درحقیقت یہ اس بات کی علامت ہیں کہ اس ملک کے باشندے اسلام سے دلی لگن اور گہری محبت رکھتے ہیں۔ انہوں نے قیامِ پاکستان سے پہلے اور قیامِ پاکستان کے بعد نہ صرف اسلام کے نام پر نعرے لگائے ہیں بلکہ اس کے لئے عظیم قربانیاں بھی دی ہیں۔ آزادی کے وقت لاکھوں آدمی اسلام کے نام پر قائم ہونے والی مملکت میں ہجرت کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور پھر آزادی کے بعد مختلف وقتوں میں نظامِ اسلام کی جدوجہد میں سینکڑوں افراد شمعِ اسلام پر قربان ہو کر زندۂ جاوید ہو گئے۔

اس وابستگی اور جدوجہد کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم اسلام کو اپنی ملی بقاء کے لئے لازمی سمجھتے ہیں۔ ہمارے لئے اسلام ایک مذہب نہیں بلکہ مکمل ضابطۂ حیات ہے ہمارے لئے یہ نظامِ حیات کوٹ، نکٹائی یا ٹوپی کی طرح نہیں جسے بدلتے ہوئے حالات اور فیشن کے مطابق بدلا جا سکے۔ یہ ہماری سانس اور یہ ہماری روح ہے جس کے بغیر ہم بالکل بیکار ہیں۔

مجھے اعتراف ہے کہ ہمارے ملک میں تیس برس تک جو حکومتیں آتی رہیں، انہوں نے مسائل کی بھرمار یا کسی اور وجہ سے نظامِ اسلام کو نافذ کرنے کی طرف وہ توجہ نہ دی جو دینی چاہیئے تھی۔ ہمارے عوام دلوں میں اسلام کا جذبہ لئے غیر اسلامی قوانین کی تعمیل کرتے اور عدم تعمیل کی صورت میں سزائیں بھگتتے رہے، ملک میں تعلیمی، سماجی اور معاشرتی ماحول غیر ملکی اقدار کے زیرِ اثر رہا، لیکن اس کے باوجود عوام کے دلوں میں جذبۂ اسلام مدہم نہ ہوا۔

موجودہ حکومت نے دو ڈھائی سال پہلے جب اقتدار سنبھالا تو اس چنگاری کو بھی روشن کرنے کی کوشش کی۔ اس نے دیگر کاموں کے ساتھ ساتھ اس عہد کو بھی عملی جامہ پہنانے کی طرف بھرپور توجہ دی جو ہم نے قیامِ پاکستان کے وقت کیا تھا۔ وہ عہد یہ تھا کہ ہم برصغیر میں ایک علیحدہ قطعۂ زمین حاصل کر کے اس میں اسلامی طریقے کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں گے۔ ہم نے اس عہد کی تکمیل کے لئے جب دو سال پہلے کام کا آغاز کیا تو کئی محاذوں پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس کے باوجود ہم ملکی اور غیر ملکی علماء قانون دانوں اور دانش وروں کی محنت اور تعاون سے چند بنیادی اور ٹھوس اقدامات کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم نے سنگین جرائم کی روک تھام کے لئے "حدود" نافذ کر دی ہیں اور دیگر قوانین کو قرآن وسنّت کے مطابق ڈھالنے کے لئے اسلامی نظریاتی

کونسل، وزارتِ قانون اور وزارتِ مذہبی امور کو کام سونپ رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ عدالتوں میں ایک ایک شریعت بنچ قائم ہے۔ جو مروّجہ قوانین کے غیر اسلامی پہلوؤں کی نشاندہی کرتا ہے۔ معاشی سطح پر ہم نے زکوٰۃ اور عُشر کا نظام وضع کیا ہے' ملک کے کئی تجارتی اور مالیاتی اداروں سے سود کی لعنت ختم کر دی ہے اور مکمل طور پر سود کی لعنت سے پاک معاشی نظام وضع کرنے کے لئے کام ہو رہا ہے۔

معزّز خواتین وحضرات! ان اقدامات کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے ابھی بہت سا کام باقی ہے۔ جب تک ہم مکمل طور پر اپنے تعلیمی، سماجی، معاشی قانونی اور سیاسی نظام کو اسلام سے ہم آہنگ نہیں کریں گے، ہمارا جہاد مکمل نہیں ہوگا کیونکہ ہمارا مقصد کسی ایک شعبۂ زندگی کو بہتر بنانا نہیں بلکہ ساری طرزِ زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنا ہے۔ جن شعبوں میں ہمیں خاص طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے، وہ معاشیات اور سیاسیات ہیں۔

زمانۂ حاضر میں معاشی ضرورتیں اتنی اہمیّت حاصل کر چکی ہیں کہ تعلیم، قانون یا سماج میں ہم جتنی تبدیلیاں بھی لے آئیں، عوام اس وقت تک ان سے مطمئن نہیں ہوتے جب تک ان کی معاشی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ اگر اسلام کا صرف تعزیری پہلو نافذ کیا جائے اور لوگوں کے معاشی مسائل حل نہ ہوں تو اسلام پر یہ بہتان لگایا جائے گا کہ نعوذ باللہ یہ صرف کوڑے مارنے اور سنگسار کرنے کا مذہب ہے۔ اگر "نفاذِ شریعت" میں ان غلط فہمیوں کا سدِّ باب نہ کیا گیا تو ہم اسلام کی خدمت کرنے کی بجائے اُس کو اُلٹا نقصان پہنچائیں گے۔ لہٰذا سب سے اہم ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے اسلام کے معاشی اور رفاہی پہلوؤں کو سامنے لایا جائے' اور بھوکے' ننگے اور افلاس زدہ عوام کے درد کا مداوا کیا جائے۔ آج دنیا ایک نئے رُخ پر چل چکی ہے جہاں مادی خوشحالی کا سنہرا

خواب بہت سی قوموں کو گمراہ کر رہا ہے۔ "نفاذِ شریعت" کے ضمن میں یہ تأثر دینا ضروری ہے کہ اسلام پر عمل کرنے سے صرف روحانی غذا ہی نہیں ملتی بلکہ پیٹ کو خوراک، تن کو لباس، بیمار کو دوا اور بچے کو تعلیم بھی میسّر آسکتی ہے۔

"نفاذِ شریعت" کا دوسرا اہم پہلو سیاسیات ہے۔ آج ہم میں سے اکثر ممالک مغربی افکار اور روایات کی زد میں آنے کی وجہ سے مغربی طرزِ حکومت کو مقدس سمجھ کر سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ ہم مغربی دانش وروں سے سُنتے چلے آرہے ہیں کہ جمہوریّت —— اپنے تمام نقائص اور خامیوں کے باوجود، بہترین طرزِ حکومت ہے۔ ہم مسلمانوں کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا مغربی طرزِ سیاست اسلام کے مطابق ہے یا نہیں؟ کہیں یہ تو نہیں کہ جس مقدس مفروضے کے تعاقب میں ہم اپنے آپ کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالتے ہیں وہ سرے سے غیر اسلامی ہے اور اگر یہ واقعی غیر اسلامی ہے تو اسلامی طرزِ حکومت اور اس کو قائم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

حاضرینِ گرامی! آپ نے کبھی غور کیا کہ ہم آج اسلامی اور غیر اسلامی طرزِ زندگی کی الجھنوں میں کیوں پڑے ہیں۔ ہم سب مسلمان ایک ہی خاندان کے فرد، ایک ہی اُمّت کے رکن اور ایک ہی دین کے پیروکار ہونے کے باوجود آج کیوں مختلف خانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک ہی سرزمین کے پودے اور ایک ہی پودے کے پھول ہونے کے باوجود ہماری پتیاں کیوں علیٰحدہ علیٰحدہ ہوگئی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ ہم مُٹھی کی طرح متحد اور مضبوط تھے اور آج ایک وقت آیا ہے کہ ہم تسبیح کے دانوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں۔ میرے خیال میں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم جب سے اسلام کی "مرکزیت" سے ہٹے ہیں ہم پر غیر اسلامی نظریات اور اقدار کی ایسی یورش ہوئی ہے کہ ہم اپنی ابتدا کو بھول کر سیکولر خیالات کو اپنانے لگے ہیں اور رفتہ رفتہ ہماری زندگی کے تعلیمی، ادبی، ثقافتی، سماجی،

معاشی اور سیاسی پہلوؤں پر ایسی چھاپ لگ چکی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہو کر رہ گئے ہیں۔

اس اجنبیت کو دور کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم ان افکار اور اقدار کی نشاندہی کر کے ان سے نجات حاصل کریں جو باہر سے داخل ہو گئی ہیں۔ یہ کام تبھی ممکن ہے کہ ہم ایک بار پھر اسلام کے ابتدائی دور اور اس کے رُشد و ہدایت کے اصل منبع کی طرف رجوع کریں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رُشد و ہدایت کا یہ ابدی منبع یعنی قرآن پاک ـــ تمام تر تاریخی انقلاب کے باوجود شکست و ریخت سے محفوظ آج بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ اس کے علاوہ رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے یہ ابدی سرمایہ ہم تک پہنچا، ان کے اقوال و اعمال کا ریکارڈ بھی ہمارے سامنے ہے۔

ہم پاکستان میں رُشد و ہدایت کے اسی ابدی سرچشمے یعنی قرآن پاک اور حدیثِ رسول ؐ سے استفادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔ اسی طرح کئی اور ممالک بھی اپنے طور پر نفاذِ اسلام کی کوششیں کر رہے ہیں، لیکن میرے خیال میں یہ کام ایک فرد، ایک حکومت یا ایک ملک کے کرنے کا نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام کی مشترکہ توجہ کا مستحق ہے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا اہم ترین تقاضا ہے کہ اسلامک کانفرنس کے زیرِ اہتمام ایک STANDING LAW COMMISSION قائم کیا جائے جو مختلف اسلامی ممالک میں "نفاذِ شریعت" کے کام کو مربوط بنا کر قابلِ عمل شکل دے سکے۔

اسلام بنیادی طور پر ایک قانون ہے جو ذاتِ الٰہی کے احکامات اور رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرمودات پر مبنی ہے۔ جو شخص اسلام قبول کرتا ہے، وہ درحقیقت اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اس قانون کی اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ یہ عہد کرنے والے جب تعلیم و تدریس میں اس قانون پر عمل کریں گے تو ان کا نظامِ تعلیم اسلامی ہو گا۔ اپنی

معاشرت میں اسے اپنائیں گے تو ان کی معاشرت اسلامی ہوگی۔ اس کا اطلاق معاشیات پر کریں گے تو اسلامی نظامِ معیشت وجود میں آئے گا۔ گویا اگر اس قانون کو زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ کیا جائے گا تو سارا معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا جائے گا۔ اسلامی قوانین کا یہ پیکیٹ کون تیار کرے گا۔ پاکستان اپنی کوشش کرتا رہے گا، سوڈان اپنا کام جاری رکھے گا، انڈونیشیا اپنے وسائل کو اس کام کے لئے بروئے کار لاتا رہے گا اور ایک اسلامی ملک دوسرے اسلامی ملک کی کوششوں سے فیض یاب نہیں ہو سکے گا۔ اگر یہ لاء کمیشن قائم کر دیا جائے تو وہ علیٰحدہ علیٰحدہ ملکوں کی کوششوں کا نعم البدل نہیں ہوگا بلکہ ان کی انفرادی کوششوں کو مربوط اور قابلِ عمل بنانے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ اگر تمام ملکوں کی کوششوں کو ملا کر اسلام کے بنیادی اصولوں یعنی FUNDAMENTALS پر مبنی اسلامی قوانین کا ایک ڈھانچہ تیار کیا جائے تو سبھی ممالک اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ اس قانونی ڈھانچے میں اتنی گنجائش ہونی چاہیئے کہ مختلف ممالک مقامی حالات کے مطابق اسے اپنا سکیں۔ اس کا بنیادی فائدہ یہ ہوگا کہ ہر کسی کو اسلامی قوانین کے ایک ہی منبع کو علیٰحدہ علیٰحدہ ٹٹولنا نہیں پڑے گا بلکہ ایک تیار شدہ چیز ہر ایک کے سامنے ہو گی جسے اپنا کر وہ اپنی جغرافیائی سرحدیں بھی برقرار رکھ سکیں گے اور اسلامی ممالک کے درمیان ایک مشترکہ فکر اور مشترکہ طرزِ زندگی کو بھی فروغ مل سکے گا۔

اس ضمن میں ایک اور تجویز آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ جناب ظفر الاسلام صاحب نے ISLAMIC SOLIDARITY FUND کا ذکر کیا ہے۔ اس فنڈ کی مدد سے جو سیمینار ہو رہا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔ اس فنڈ کی مدد سے جو سیمینار ہونے ہیں، وہ بھی قابلِ تحسین ہیں۔ ان سیمیناروں میں جس کے اندر یہ موجودہ سیمینار بھی شامل ہے، اسلام کے نام پر جو تشہیر ہوئی ہے وہ بھی قابلِ قدر ہے، لیکن میں ایک چیز کا رونا آپ سے

دو کر عرض کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دینِ اسلام میں ایک آج چودہ سو سال کے بعد جب اس کے اندر دوبارہ ایک نئی روح پیدا ہو رہی ہے، اس کے ساتھ اس کے دشمن اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ ہمیں اپنے اندر یہ معلوم نہیں ہے کہ دوست کون ہے؟ دشمن کون ہے؟ دشمنانِ اسلام کا یہ پروپیگنڈا اتنا وسیع ہے کہ آج دینِ اسلام اور دنیائے اسلام کو CRESCENT OF CRISIS کے نام سے مخاطب کیا جا رہا ہے۔ اسلامک کانفرنس کے ISLAMIC SOLIDARITY FUND کے تحت جہاں اور بہت سے نیک کام ہو رہے ہیں، وہاں میں آپ کی وساطت سے اسلامک کانفرنس کو یہ تجویز پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اس کانفرنس کے تحت تمام مسلم ممالک کی خدمات حاصل کر کے اور انہیں یکجا کر کے ایک مضبوط اور ایک جامع نظام قائم کیا جائے جس کے تحت اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اس کے لئے جہاد کیا جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ جناب ظفر الاسلام صاحب ہماری یہ التجا اسلامی کانفرنس میں پہنچا دیں گے۔

عالمِ اسلام کی سطح پر وضع کئے گئے اس قانونی ضابطے کے دو حصے ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ حصّہ جو ہر اسلامی مملکت کے اندرونی حالات کے لئے مشعلِ راہ ہو اور دوسرا وہ جو مسلم ریاستوں کے باہمی تعلقات میں راہنمائی کرے۔

یہ خیال فی الحال ایک آئیڈیل IDEAL نظر آتا ہے، لیکن اس دنیا میں آئیڈیل ہمیشہ سمت کا تعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ پاکستان کی مثال ہی لے لیجئے۔ جب سب سے پہلے اسلام کے نام پر ایک علیٰحدہ مملکت کی تجویز سامنے آئی تو اسے شاعر کے تصوّر اور مجذوب کی خام خیالی سے زیادہ اہمیّت نہ دی گئی، لیکن مسلمانوں نے اسے ایک آئیڈیل کے طور پر اپنایا اور کم از کم جغرافیائی اور سیاسی لحاظ سے سات سال کے قلیل عرصے میں اسے عملی شکل دے دی۔ اسی طرح اگر آج عالمِ اسلام اس آئیڈیل کو اپنا

لے تو مجھے یقین ہے کہ چند برسوں کی محنت سے ہم اسے قابلِ عمل بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

عالمِ اسلام کو متحد اور مربوط بنانے کی یہ کوششیں صرف اسلامی قوانین کی تدوین تک محدود نہیں رہنی چاہئیں بلکہ اس کا دائرۂ کار جتنا وسیع ہو سکے اتنا ہی مفید رہے گا۔ مثلاً آپ مسلمان ممالک پر نظر ڈالیں تو آپ کو بے شمار وسائل نظر آئیں گے۔ عالمِ اسلام کے ریگستان تیل کی دولت سے مالا مال ہیں تو پہاڑ معدنی ذخائر سے پُر ہیں۔ میدان لہلہاتی فصلوں سے مسکراتے ہیں تو سمندر آبی دولت کے امین ہیں۔ اگر ان وسائل کو عالمِ اسلام کی اجتماعی بہبود کے لئے استعمال کیا جائے تو میرے خیال میں مادی لحاظ سے بھی ایک خوشگوار انقلاب آ جائے گا۔ یہاں شاید یہ وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ عالمِ اسلام کا اتحاد کسی غیر اسلامی ملک، بلاک یا گروپ کے خلاف نہیں بلکہ یہ اپنی آئیڈیولوجی IDEOLOGY اور اپنے نظریے کے مطابق اپنی حالت کو بہتر بنانے کی ایک کوشش ہے۔ اگر ہماری یہ کوششیں کامیاب ہوتی ہیں اور عالمی برادری کو اسلامی اقدار میں انسانی بہبود کا پہلو نظر آتا ہے تو وہ اسے بڑی خوشی سے اپنا سکتی ہے۔

معزز خواتین و حضرات! میری آج کی ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اُمتِ محمدیہ کو دوبارہ متحد کرنے اور اسے بین الاقوامی تعلقات میں اہم کردار ادا کرنے کے قابل بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم آج اسلامی اور غیر اسلامی نظریات کی آمیزش کا تجزیہ کریں۔ ان میں سے غیر اسلامی عناصر کی نشاندہی کر کے انہیں اپنی عملی زندگی سے خارج کریں اور ان کی جگہ خالص اسلامی اقدار کو دیں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ کام بڑا طویل اور کٹھن ہے۔ اسی لئے میں نے مختلف ملکوں کی انفرادی کوششوں کو یکجا کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم نے تطہیر کا یہ عمل پوری سنجیدگی سے شروع کر دیا تو نہ صرف ہم اپنے

اپنے ملک میں اسلامی طرزِ زندگی کو اپنانے میں کامیاب ہو جائیں گے، بلکہ عالم اسلام کو بھی متحد اور مضبوط بنا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کارِ خیر کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری حقیر کوششوں کو اپنی برکتوں سے نوازے۔

"نفاذِ شریعت" کے اس بین الاقوامی سیمینار سے جس میں عالم اسلام کے چیدہ چیدہ عالم حصّہ لے رہے ہیں، یقیناً خیالات اور تجاویز کا بیش قیمت سرمایہ سامنے آئے گا۔ شاید بعد میں چند قراردادیں بھی منظور کی جائیں گی اور جس طرح پہلے کئی بین الاقوامی جلسوں کی کارروائی محفوظ کی جا چکی ہے اسی طرح اس سیمینار کی کارروائی بھی اسلامی سیکرٹریٹ کے ریکارڈ کا حصّہ بن جائے گی۔ میری یہ خواہش ہے کہ اتنی محنت اور اتنے وسائل سے منعقد ہونے والی تقریبات کی کارروائیوں کو عملی جامہ پہنانے پر مزید توجہ دی جائے تاکہ اس کے نتائج سب کے سامنے آ سکیں۔

میں ایک بار پھر اسلامی کانفرنس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے پاکستان کو اس اہم اور تاریخی سیمینار کی میزبانی کا شرف بخشا۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ یہ سہ روزہ سیمینار اپنے مقاصد میں انشاء اللہ ضرور کامیاب ہو گا۔

پاکستان پائندہ باد

اسلامی اتحاد زندہ باد

قوم سے خطاب

۱۶ اکتوبر۱۹۷۹ء

۱۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء کا دن پاکستان کی حالیہ تاریخ میں اس اعتبار سے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ حکومت کو دوسری بار انتخابات کے غیر معینہ التوا کا اعلان کرنا پڑا۔ اس فیصلے کے اعلان اور اس کا پس منظر واضح کرنے کے لئے صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۶ اکتوبر کو ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر قوم سے خطاب کیا۔ ۱۷ نومبر ۱۹۷۹ء کے انتخابات غیر معینہ مدّت تک ملتوی کرنے کی وجوہ کے بارے میں قوم کو اعتماد میں لیتے ہوئے صدرِ مملکت نے بتایا کہ سیاسی پارٹیوں کو انتخابات کی تیاری کے لئے تقریباً آٹھ ماہ کا عرصہ دیا گیا تھا لیکن انہوں نے طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنی شروع کر دیں۔ بعض سیاسی پارٹیوں نے رجسٹریشن سے گریز کیا۔ بعض نے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے لئے مزید مہلت طلب کی جو دے دی گئی لیکن اس کے باوجود بعض پارٹیوں نے کاغذاتِ نامزدگی داخل نہیں کروائے ایسی صورت میں انتخابات کرا دیئے جاتے تو ملک میں ایک نمائندہ اور مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انتخابات کو غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے صدر نے اپنے خطاب میں بتایا کہ سیاسی سرگرمیاں معطل کر دی گئی ہیں۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ اخبارات پر سنسر شپ عائد کر دی گئی ہے۔ بعض اخبارات و جرائد بند کر دیئے گئے ہیں۔ اب مارشل لا کو مارشل لا کی طرح چلایا جائے گا اور عوام کے بنیادی مسائل پر فوری توجہ دی جائے گی۔ اشیاء کی سپلائی اور قیمتوں پر کڑی نظر رکھی جائے گی۔ ملاوٹ، منافع خوری اور بدعنوانی میں ملوث کسی شخص کو بخشا نہیں جائے گا۔ صدرِ مملکت نے اعلان کیا کہ انتخابات کے التوا سے حکومت کو جو مزید وقت ملا ہے، اس میں حسبِ ذیل ترجیحات کے مطابق کام کیا جائے گا:۔

- نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز تر کیا جائے گا۔
- قومی معیشت کو بہتر بنانے کے قومی پیداوار بڑھائی جائے گی اور برآمدات کو فروغ دیا جائے گا۔
- اشیائے ضرورت کی قیمتیں مناسب سطح پر رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔
- رشوت ستانی، چوری اور ڈاکہ زنی کا سدِّباب کیا جائے گا۔
- بیگار کیمپوں کی بیخ کنی کی جائے گی
- سنگین جرائم کے مرتکب افراد پر مارشل لا عدالتوں میں مقدمہ چلایا جائے گا۔

اسی روز صدرِ مملکت نے آئین میں ایک آرٹیکل ۸ - ۲۱۲ کا اضافہ کیا جس کے تحت چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو اختیار دیا گیا کہ وہ کسی مارشل لا ریگولیشن اور مارشل لا آرڈر کے تحت قابلِ سزا جرم کی سماعت کے لئے ایک یا زیادہ فوجی عدالتیں قائم کر سکتے ہیں اور ہائی کورٹ سمیت کسی بھی عدالت کے اختیارات کو ان فوجی عدالتوں میں زیرِ سماعت معاملات سے علیحدہ قرار دے سکتے ہیں۔

اسی روز مارشل لا ریگولیشن نمبر ۴۸ جاری کیا گیا جس کے تحت تمام سیاسی پارٹیوں کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ ایک اور مارشل لا ریگولیشن ۴۹ کے تحت اخبارات اور جرائد پر اشاعت سے پہلے مجاز حکام سے سنسر کروانے کی پابندی عائد کی گئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

معزز خواتین و حضرات!

اسلام علیکم۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنی گزشتہ تقریر میں کہا تھا کہ عنقریب سیاسی مسائل کے بارے میں اظہارِ خیال کروں گا۔ لہٰذا آج اسی سلسلے میں آپ کے سامنے حاضر ہوا ہوں اور آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔

عام طور پر سیاست کی یہ روایت رہی ہے کہ حکمران پارٹی خود در پردہ انتخابات کی تیاری کرتی رہتی ہے اور انتخابی پروگرام کو اپنے حریفوں سے صیغۂ راز میں رکھتی ہے تاکہ انہیں مقابلے کے لئے کم سے کم وقت ملے چونکہ ہمارے کوئی سیاسی عزائم نہیں تھے، اس لئے میں نے یہ روایت توڑتے ہوئے انتخابات سے آٹھ ماہ قبل ۲۳ مارچ کو انتخابات کی تاریخ کا اعلان کر دیا تھا۔ اتنا پہلے اعلان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں کو انتخابات کی بھرپور تیاری کے لئے یکساں وقت مل سکے اور وہ بعد میں گِلہ نہ کریں کہ ہمیں اتنا وقت نہیں دیا گیا کہ ہم اپنا منشور تیار کر سکیں،

پارٹی کی تنظیم کر سکیں، اپنی انتخابی حکمتِ عملی مرتب کر سکیں یا اپنے اُمیدواروں کا چناؤ کر سکیں۔ اس تمام عرصے میں چار دیواری کے اندر سیاسی سرگرمیوں کی پوری اجازت رہی ہے۔

سیاسی پارٹیوں کو "ہوم ورک" کا یہ نوٹس دینے کے ساتھ ساتھ میں اپنی تقریروں اور اخباری بیانوں میں اس بات پر بھی زور دیتا رہا ہوں کہ اس ملک کی اہم ضرورت ایک اسلامی، جمہوری اور مستحکم حکومت ہے جس کے لئے انتخابات برائے انتخابات کرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ انتخابات سے مثبت نتائج نکلنے چاہئیں اور مثبت نتائج سے میری صرف یہ مراد تھی کہ ملک کو ایسی حکومت مل جائے جو نظریۂ پاکستان پر کاربند رہتے ہوئے کم سے کم کچھ عرصے کے لئے ملک کو استحکام دے کر ترقی کی راہ پر گامزن رکھ سکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے میں نے کئی اقدامات کئے جن میں متناسب نمائندگی کا اصول اور پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ میں چند ترامیم شامل تھیں۔

یہ دونوں اقدام ملک و قوم کے بہترین مفاد میں کئے گئے۔ متناسب نمائندگی کا اصول کوئی نیا اصول نہیں۔ یہ پہلے ہی کئی ممالک میں رائج ہے اور خود ہمارے ملک کی اکثر و بیشتر پارٹیوں کے منشور میں بھی شامل ہے۔ میں نے جب پہلی مرتبہ اس اصول کا مسودہ اہم سیاسی راہنماؤں کو روانہ کیا تو اس کی وضاحت یوں کی گئی کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی آدھی نشستوں کے لئے اُمیدواروں کو مروجہ اکثریتی رائے سے منتخب کیا جائے گا اور باقی آدھی سیٹیں پارٹیوں کو ملنے والے ووٹوں کے تناسب سے پُر کی جائیں گی۔

اکثر سیاسی پارٹیوں، اخبارات اور رائے عامہ کے لیڈروں نے متناسب نمائندگی کے اس اصول کو سراہا اور ملک کے لئے مفید قرار دیا، لیکن ان کا مشورہ یہ تھا کہ اگر متناسب نمائندگی کا اصول اپنانا ہے تو اسے پورے طور پر اپنایا جائے۔ میں نے بلا تامل ان کی تجویز قبول کی۔ بعد میں بعض نے نکتہ اٹھایا کہ آزاد اُمیدواروں کی کامیابی کے لئے پچاس

فی صد سے زیادہ ووٹ حاصل کرنا ضروری قرار دیا جائے تاکہ سیاسی پارٹیوں کو چھوڑ کر آزاد اُمیدوار کی حیثیت سے انتخابات لڑنے کی حوصلہ شکنی ہو اور سیاسی پارٹیوں کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں مدد ملے۔ ان کا یہ اعتراض بھی معقول تھا جو میں نے بلا تاخیر قبول کر لیا۔

دوسرا اہم قدم سیاسی پارٹیوں کے ایکٹ میں ترمیم تھی۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ ایکٹ ہم نے نہیں بنایا۔ یہ ۱۹۶۲ء سے قائم ہے اور گزشتہ سولہ سترہ سالوں سے نافذ العمل ہے۔ اس طویل عرصے میں ملک میں کئی تبدیلیاں آچکی ہیں اور قوم کئی سیاسی تجربوں سے گزر چکی ہے۔ لہٰذا وقت کا تقاضا یہ تھا کہ ماضی کے تجربوں کی روشنی میں اس ایکٹ کو موجودہ حالات سے ہم آہنگ کیا جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے ہم نے ۳۰ اگست کو اس میں چند ترامیم کر دیں۔

ملک بھر میں ان ترامیم کا پُرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ اکثر سیاستدانوں نے، دانشوروں نے اور اخباروں نے اسے صحیح سمت میں اہم قدم قرار دیا۔ اس کے علاوہ مجھے کئی خطوط بھی موصول ہوئے جن میں ان اقدام کو سراہتے ہوئے کہا گیا کہ زندگی کے ہر شعبے میں نظم وضبط لانے کی ضرورت ہے۔ دنیا کے تمام ممالک میں اجتماعی بہبود کے لئے کام کرنے والے ادارے خواہ ان کا تعلق صنعت سے ہو یا تجارت سے، بینکوں سے ہو یا انشورنس سے، وہ نجی شعبے میں ہوں یا سرکاری شعبے میں، کسی نہ کسی قانون کے پابند ہوتے ہیں تو کیا سیاست ہی واحد شعبۂ زندگی ہے جو ہر ڈسپلن یعنی (نظم وضبط) سے بالاتر ہے۔

ان ترامیم کی ملک گیر مقبولیت کے باوجود بعض سیاسی پارٹیوں نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس تنقید کے کئی پہلو اور کئی محرکات تھے، لیکن بنیادی طور پر ان کے اعتراضات دو تھے۔ ان کے خیال میں ایک تو سیاسی پارٹیوں سے آمدنی اور خرچ کا حساب لینا مناسب نہیں، دوسرے رجسٹریشن کرانا ان کے لئے باعثِ ہتک ہے۔

جہاں تک پارٹیوں کے فنڈ آڈٹ کرنے کا تعلق ہے، یہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی شق نمبر ۱۷ کا تقاضا ہے اور یہ وہ آئین ہے جسے سب پارٹیوں نے اتفاق رائے سے منظور کیا تھا۔ شق نمبر ۱۷ میں صاف لکھا ہے کہ ملک کی ہر سیاسی پارٹی کو قانون کے مطابق اپنے فنڈز کا حساب دینا ہوگا۔ اس مقصد کے لئے ہم نے یہ قانون بنا کر ایک ایسے تقاضے کو پورا کیا ہے جو آج سے چند سال پہلے کیا جانا چاہیئے تھا۔

اس ایکٹ میں باقی جو ترامیم کی گئیں ان میں بھی کوئی انہونی بات نہیں کی گئی، صرف پارٹیوں سے ان کی بنیادی دستاویزات یعنی پارٹی کا آئین، پارٹی کا منشور اور ممبروں کی فہرست طلب کی گئی تھی تاکہ انتخابات میں حصہ لینے والی پارٹیاں تحریری طور پر ان تقاضوں کو پورا کر سکیں جنہیں وہ خود تسلیم کرتی ہیں۔ کون سی پارٹی ہے جو ملک کے بنیادی نظریے، استحکام اور یک جہتی کی دعویدار نہیں۔ ہم نے انہی دعووں کو پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کی ترمیم سے تحریری طور پر لازم بنا کر ایک قومی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔

آپ ہی بتایئے کہ آخر وہ کون سا قانون یا اخلاقی اصول ہے جس کے مطابق ملک میں تو انتخابات ضروری سمجھے جائیں، لیکن سیاسی پارٹیاں اپنے انتخابات کرانے سے مستثنیٰ ہوں؟ ملک کا حساب تو ہر سال بجٹ کی شکل میں قوم کے سامنے پیش کیا جائے، لیکن سیاسی پارٹیاں اپنے حسابات دینے کی پابند نہ ہوں؟ ملک میں تو نظم و ضبط ضروری ہو، لیکن سیاسی پارٹیاں ہر قسم کے نظم و ضبط سے بالا سمجھی جائیں؟

کیا یہ اخلاقی جرم نہیں کہ سیاسی پارٹیاں ملک میں انتخابات کا مطالبہ تو کرتی ہیں لیکن انتخابات کے لئے اپنا کوئی منشور یا کوئی پروگرام عوام کے سامنے لانے سے گریز کریں؟

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اکثر سیاسی پارٹیاں رجسٹریشن کی ضرورت، اس کے تقاضوں اور طریق کار سے تو اتفاق کرتی تھیں، لیکن انہیں محض لفظ "رجسٹریشن" سے چڑھ تھی اور وہ اسے

"لائسنس" اور "پرمٹ" سے منسوب کر کے اپنی انا کا مسئلہ بنا بیٹھیں۔

میں نے جب یہ دیکھا کہ کوئی پارٹی "آڈٹ" کے نام پر اور کوئی "رجسٹریشن" کے بہانے انتخابات سے پہلوتہی کر رہی ہے تو مجھے محسوس ہوا کہ ۱۷ نومبر کے انتخابات صحیح معنوں میں نمائندہ انتخابات نہیں ہوں گے۔ چنانچہ میں نے سیاسی لیڈروں سے بات چیت شروع کی۔ ان مذاکرات سے پتہ چلا کہ وہ "رجسٹریشن" کا لفظ حذف کر کے ضروری کاغذاتِ نامزدگی داخل کرانے کے لئے چند دن کی مہلت چاہتے ہیں۔ میں نے اس مسئلے کو اپنے وقار کا مسئلہ بنانے کی بجائے ان کی یہ دونوں باتیں مان لیں۔ "رجسٹریشن" کا لفظ حذف کر دیا اور پارٹی کی بنیادی دستاویزات اور کاغذاتِ نامزدگی داخل کرانے کی تاریخ بالترتیب ۹ اکتوبر اور ۱۳ اکتوبر تک بڑھا دی جس کا سب نے برملا خیر مقدم کیا۔

جس سرکاری پریس نوٹ میں یہ اضافی وقت دیا گیا تھا اس میں یہ اعلان بھی کیا گیا تھا کہ اس اضافی وقت کی وجہ سے شاید عام انتخابات کے موجودہ پروگرام میں کچھ ردو بدل کرنا پڑے لیکن الیکشن بہر حال اسی سال کرائے جائیں گے۔

قومی اتحاد کے لیڈروں نے حالیہ مذاکرات کے دوران مجھ سے پوچھا کہ آیا اس اضافی وقت کے باوجود انتخابات ۱۷ نومبر کو ممکن ہوں گے؟ میں نے اس کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد کہا کہ ایسا کرنا ممکن نہیں۔ اس پر قومی اتحاد کے لیڈروں نے کہا کہ اگر تکنیکی وجوہات کی بنا پر نومبر میں انتخابات نہیں ہو سکتے تو دسمبر میں انتخابات انہیں قابل قبول نہیں۔ اس کا اعلان انہوں نے اخبارات میں بھی کر دیا۔

یہ بات کسی حد تک باعثِ اطمینان تھی کہ اس کے باوجود چند اور پارٹیوں نے اضافی وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قانون کے تقاضے پورے کر دیئے اور یوں وہ الیکشن میں حصہ لینے کی اہل قرار پائیں۔ اس کے بعد کاغذاتِ نامزدگی داخل کرنے کا مرحلہ

تھا جس کی آخری تاریخ ۱۲ اکتوبر تھی۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ انہوں نے پارٹی کے مفادات کو قومی مفاد پر ترجیح دیتے ہوئے مقررہ تاریخ تک کاغذاتِ نامزدگی داخل نہ کرائے حالانکہ وہ خود اس کے لئے مہلت کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ اس ڈرامے میں کیا مصلحتیں کارفرما تھیں اس کا فیصلہ میں قوم پر چھوڑتا ہوں، لیکن ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم ایک بار پھر اس جگہ پہنچ گئے جہاں کچھ عرصہ پہلے تھے۔

جہاں ان پارٹیوں کا طرزِ عمل افسوسناک ہے وہاں چند اور پارٹیوں نے الیکشن میں حصہ لینے کے تمام تقاضے پورے کر کے جمہوریت پرستی اور ملکی مفاد سے وابستگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں ان کی کوششوں کو خلوصِ دل سے سراہتا ہوں، لیکن صدقِ دل سے محسوس کرتا ہوں کہ صرف انہی چند پارٹیوں کے لئے اگر انتخابات کرائے گئے تو ملک میں نمائندہ اور مستحکم حکومت قائم نہیں ہو سکے گی۔

اب ملک میں مجموعی طور پر صورتِ حال یہ ہے کہ ماسوا چند پارٹیوں کے، ملک کی بیشتر پارٹیاں اپنی اپنی وجوہات کی بنا پر آئندہ انتخابات میں حصہ نہیں لے رہی ہیں۔ میں نے اور میرے رفقاء نے اس صورتِ حال کا بڑی سنجیدگی سے تجزیہ کیا ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ پارٹیاں انتخابات سے تو خود کترا رہی ہیں، لیکن التوا کی ذمہ داری حکومت پر ڈالنا چاہتی ہیں۔

اگر گزشتہ چند مہینوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ حکومت انتخابات کرانے کے لئے جو قدم بھی اٹھاتی رہی، اس میں اکثر سیاسی پارٹیاں روڑے اٹکاتی رہیں۔ کبھی متناسب نمائندگی کے قانون کے بہانے، کبھی حسابات آڈٹ نہ کرانے کے بہانے اور کبھی رجسٹریشن کو وقار کا مسئلہ بنانے کے بہانے۔ اس سلسلے میں ان کا تازہ ترین بہانہ یہ ہے کہ کاغذات نامزدگی کے لئے مزید وقت دیا جائے، انتخابی

مہم طویل سے طویل رکھی جائے، ان کی ہر بات کو تسلیم کیا جائے، لیکن انتخابات بہر حال ۱۷ نومبر کو ہوں۔ اگر میرے پاس الہ دین کا چراغ ہوتا تو شاید ان متضاد تقاضوں کو میں پورا کر سکتا۔

ایک طرف سیاستدانوں کا یہ رویہ ہے کہ اپنی ذمہ داریوں سے جان بچا رہے ہیں اور دوسری طرف عوام کے مسائل ہیں جو فوری توجہ چاہتے ہیں۔ اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ کم پیداوار اور بین الاقوامی افراطِ زر ہے، لیکن حالات کو بدتر بنانے میں منافع خوروں اور ذخیرہ اندوزوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ یوں تو جرائم اور رشوت کسی حد تک ہر معاشرے کا حصہ بن چکے ہیں، لیکن ہمارے ہاں ان کے تدارک کے لئے مؤثر طور پر خاطر خواہ اقدامات نہیں کئے گئے۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے مارشل لا کے باوجود روایتی عدالتی طریقہ اپنائے رکھا اور آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے سول قوانین کا ڈھانچہ اور عدالتی طریقہ کار اتنا پیچیدہ ہے کہ انصاف کے حصول کے لئے طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ برسوں کئی مقدمے فیصلے کی حد تک نہیں پہنچتے اور اگر ایک عدالت فیصلہ دے بھی دیتی ہے تو اپیل اور دیگر کارروائیوں کی وجہ سے مزید تاخیر ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اس طریق کار پر عمل کرنے کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ فوجی عدالتوں کے فیصلوں کو سول عدالتوں میں چیلنج کر کے بے اثر بنا دیا گیا جس کی وجہ سے نہ تو عوام کی توقعات پوری ہو سکیں اور نہ مارشل لا کے مقاصد۔

میں نے اس طریقہ کار کو اس لئے چلنے دیا کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جب ۱۷ نومبر کو انتخابات ہونے ہیں اور اگلی حکومت کو عام قوانین کے تحت ملک کا نظم و نسق چلانا ہے تو مروّجہ طریقے کو بدلنا مناسب نہیں ہو گا۔

حالات کو بہتر بنانے کے لئے کئی حلقوں نے پُر زور الفاظ میں آئین کو منسوخ کرنے کی تجویز بھی پیش کی جو میں نے اور میرے رفقائے کار نے قبول نہیں کی، لیکن مارشل لا

کے مقاصد کو مؤثر طور پر حاصل کرنے کے لئے بعض تبدیلیاں ناگزیر ہو گئی ہیں جس کے لئے اب مارشل لا کو مارشل لا PROCLAIMATION کے طور پر چلایا جائے گا جو ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے کی روح کے عین مطابق ہے۔ جن فوجداری مقدموں کی سماعت مارشل لا عدالتوں میں ہو گی انہیں سول عدالتوں میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔ اس کا اثر یہ ہو گا کہ کوئی شخص خواہ وہ آٹے میں ملاوٹ کرنے کا مجرم ہو یا رشوت لینے کا، منافع خوری کا مرتکب ہو یا ڈاکہ زنی کا، مارشل لا کے تحت سخت اور فوری سزاؤں سے نہیں بچ سکے گا۔

اس کے علاوہ ہر ضلع میں اشیائے ضرورت کی سپلائی اور قیمتوں کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھنے کے لئے سپلائز اینڈ پرائسز سیل قائم کیا جائے گا جس میں بلدیاتی اداروں کے منتخب ارکان، تاجر، صارف اور انتظامیہ کے ارکان شامل ہوں گے۔ ہر ضلع میں امنِ عامہ کے ذمہ دار وہاں کے سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی کمشنر ہوتے ہیں۔ جن اضلاع میں جرائم کی روک تھام نہ ہوئی وہاں کے انتظامی سربراہ کی باز پرس کی جائے گی۔ اسی طرح جس تھانے میں چوری، ڈاکے یا قتل کی وارداتیں ہوں گی، وہاں کا تھانیدار یا ایس ایچ او اس کا جواب دہ ہو گا۔ مجھے اس قسم کی شکایات بھی ملی ہیں کہ لوگوں کو مارشل لا کے تحت مقدمہ درج کرنے کی دھمکی دے کر رشوت لی جا رہی ہے۔ آئندہ اس بات کا فیصلہ صرف اعلیٰ مارشل لا حکام کریں گے کہ کس مقدمے کی سماعت مارشل لا عدالتوں میں کی جائے گی۔

انتظامیہ سے بھی عوام کو کئی شکایات ہیں اور جائز شکایات ہیں۔ اس کی وجوہات خواہ کچھ بھی ہوں، انتظامیہ کے ارکان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ وہ عوام کے حکمراں نہیں، خادم ہیں۔ ان کی تمام صلاحیتیں عوام کے مسائل حل کرنے پر صرف ہونی چاہئیں۔

گزشتہ سات آٹھ برسوں میں ملک کے غیر یقینی حالات اور غلط اقتصادی پالیسیوں

کی وجہ سے سرمایہ کاری برائے نام ہوئی اور ملکی معیشت جمود کا شکار رہی ہے۔ قومی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے ملی جلی معیشت MIXED ECONOMY کے اصول پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے گا اور پبلک سیکٹر میں صرف بنیادی صنعتیں ہوں گی یا وہ صنعتیں جن میں نجی شعبہ دلچسپی نہ لے یا ان کا سرکاری تحویل میں رہنا قومی مفاد کے لئے ضروری ہو۔ جو صنعتیں پہلے ہی قومی تحویل میں لی جا چکی ہیں، انہیں نجی شعبے کو لوٹانے کے لئے اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ان کا فرداً فرداً جائزہ لیا جائے گا۔

گزشتہ دو سالوں میں زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے، برآمدات بڑھی ہیں اور مجموعی طور پر اقتصادی حالت بہتر ہوئی ہے، لیکن حالیہ کارکردگی سے پچھلے آٹھ دس سالوں کی تلافی نہیں کی جا سکتی۔ ترقی کی موجودہ رفتار کو آئندہ بھی جاری رکھنا ہوگا۔

ملکی پیداوار کا انحصار بڑی حد تک صنعتی شعبے میں نظم و ضبط پر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے گزشتہ چند برسوں میں پسینہ بہائے بغیر، اُجرت لینے کی روایت بن چکی ہے۔ ملکی ترقی کا تقاضا یہ ہے کہ ملکی پیداوار بڑھائی جائے اور پیداوار بڑھانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص خواہ وہ کارخانہ دار ہو یا مزدور، اپنا فرض پوری طرح ادا کرے۔ لہٰذا موجودہ صورتِ حال کے مطابق نہ مزدوروں کو ہڑتال کا حق حاصل ہوگا نہ کارخانہ داروں کو لاک آؤٹ کا اختیار ہوگا۔ مزدوروں کے جائز حقوق کی حفاظت کے لئے لیبر کورٹ اور سی۔ بی۔ اے یعنی COLLECTIVE BARGAINING AGENT کا طریقۂ کار جاری رہے گا، لیکن اس کا دائرۂ کار صرف ٹریڈ یونین سرگرمیوں تک محدود ہوگا۔

لیبر کمیشن کی رپورٹ حال ہی میں حکومت کو موصول ہوئی ہے۔ اس کا جائزہ لیا جا رہا ہے اور عنقریب اس پر حتمی فیصلے کا اعلان کر دیا جائے گا۔

قوم کا مستقبل اس کی جوان پود پر ہے، لیکن وہ اس وقت تک اپنی ذمہ داری نہیں سنبھال

سکتی جب تک اس کو بھٹی سے نہ نکالا جائے۔ یہ بھٹی ہمارے تعلیمی ادارے ہیں۔ تعلیمی اداروں کی حالت درست کی جائے گی۔ سیاست بازی کا قلع قمع کر کے نظم وضبط قائم کیا جائے گا اور سکولوں ، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں غنڈہ گردی ختم کر کے انہیں صحیح معنوں میں درس گاہیں بنایا جائے گا۔

حالیہ بلدیاتی انتخابات کے بعد میں پہلی مرتبہ قوم سے خطاب کر رہا ہوں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں چند الفاظ ان کے متعلق کہنا چاہتا ہوں۔

یہ انتخابات پندرہ سولہ سال کے بعد کرائے گئے ہیں۔ ان انتخابات میں جو ارکان چنے گئے ہیں، میں انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محنت، لگن اور تندہی سے بجا لائیں گے اور اس اعتماد پر پورا اتریں گے جو عوام نے ان پر کیا ہے۔

جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، میں اس بات کا کئی مرتبہ اعلان کر چکا ہوں کہ ہم ان اداروں کو تقویت دے کر اتنا فعّال بنانا چاہتے ہیں کہ مقامی مسائل بلاتاخیر مقامی سطح پر حل ہو سکیں۔

مجھے یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ ان انتخابات میں بعض جگہ کافی دھاندلیاں ہوئی ہیں۔ میں نے تمام صوبائی حکومتوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ ان شکایات کا سختی سے نوٹس لیں اور تمام متعلقہ افراد کے خلاف ضروری کارروائی کریں۔

مذکورہ بالا اقدامات پر مؤثر طور پر عمل کرنے اور ملک کو انتخابات کے متعلق تذبذب سے نکالنے کے لئے چند اہم اور بنیادی فیصلے کئے گئے ہیں جن کا اعلان میں آج کر رہا ہوں۔

۱۔ سب سے پہلے عام انتخابات غیر معیّنہ عرصے کے لئے ملتوی کر دیئے گئے ہیں۔

۲۔ ملک بھر میں فوری طور پر ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ سیاسی پارٹیوں کو کالعدم قرار دے دیا گیا ہے۔ ان کے دفاتر سر بمہر اور ان کے حسابات

منجمند کر دیئے گئے ہیں۔

۳۔ سیاسی نوعیت کے تمام جلسے جلوسوں پر پابندی لگا دی گئی ہے۔

۴۔ ایسے اخبارات اور رسالے جو صحافت کی آڑ میں ملک دشمنی کرتے رہے ہیں اور قوم کے ذہن کو زہر آلود کرتے رہے ہیں، انہیں بند کر دیا گیا ہے۔ دیگر اخبارات اور ابلاغ عامّہ کے ذرائع پر سنسر شپ لگا دیا گیا ہے۔

۵۔ وفاقی کابینہ میں عنقریب ضروری ردّ و بدل بھی کیا جائے گا۔

ان اقدامات کو قانونی تحفظ دینے کے لئے آج ہی مارشل لا ضابطے اور احکامات جاری کئے جا رہے ہیں۔ ان فیصلوں سے انشاءاللہ ملک میں غیر یقینی حالت ختم ہو جائے گی اور وطن عزیز نئے اعتماد اور نئی امنگوں کے ساتھ ایک نئے دور میں داخل ہو گا۔ اب نہ صنعت کار کو ڈر ہو گا کہ نئی صنعتوں میں پیسہ لگانے سے اس کی رقم کا کیا بنے گا، نہ کاشتکار کو یہ خوف ہو گا کہ موجودہ زرعی پالیسیوں کا کیا بنے گا، نہ والدین پریشان ہوں گے کہ سیاسی افراتفری میں ان کے بچوں کی تعلیم متاثر ہو گی اور نہ سرکاری ملازم کو یہ فکر ہونی چاہیئے کہ آنے والے حکمرانوں کا رویّہ کیسا ہو گا بلکہ اب تمام شہری پوری یکسوئی اور دل جمعی سے ملک کی تعمیرِ نو میں مصروف ہو جائیں گے۔

ساتھ ہی ساتھ حکومت نفاذِ اسلام کے کام کو تیز تر کرنے کے لئے ہر ممکن اقدام کرے گی۔ مجھے معلوم ہے کہ گزشتہ دو سالوں میں ہم نے اس سلسلے میں جو کوششیں کی ہیں وہ عوام کے اندازے کے مطابق سست رفتار رہی ہیں، لیکن یہ بھی اپنی جگہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ موجودہ حکومت نے اس قلیل عرصے میں جتنا کچھ کیا ہے اتنا گزشتہ تیس سالوں میں کبھی نہیں ہوا۔ آئندہ انشاءاللہ نظامِ اسلام نافذ کرنے کے عمل کو زیادہ بہتر اور مؤثر بنایا جائیگا۔

آخر میں، مَیں اپنی پہلی نشری تقریر کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جس میں، میں نے ۵ جولائی

۱۹۷۷ء کو ملکی بقا کے لئے جمہوریت کو لازم قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ افواجِ پاکستان دل سے چاہتی ہیں کہ ملک کی باگ ڈور عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں رہے۔ جمہوریت پر میرا اعتقاد بدستور قائم ہے اور افواجِ پاکستان اب بھی بر سرِ اقتدار رہنا نہیں چاہتیں ان کی اب بھی خواہش ہے کہ ملک پر منتخب نمائندے حکومت کریں ، لیکن کوئی ذمہ دار شخص جمہوریت کے نام پر جمہوریت کو تباہ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا ہے اور سیاست کے نام پر یہاں افراتفری ، غنڈہ گردی اور دہشت انگیزی کا دور دورہ رہا ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری جمہوریت میں اسلامی رنگ ہو اور اس جمہوری نظام میں جو لوگ منتخب ہو کر آئیں وہ صحیح معنوں میں اسلام کے لئے سچی محبت ، ملک کے لئے درد اور عوام کے لئے جذبۂ خدمت رکھتے ہوں۔ اس سلسلے میں مناسب وقت پر جمہوری عمل کی بحالی کے لئے ضروری اقدامات کئے جائیں گے ۔

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کا ذکر کرتے ہوئے آپ کو یاد ہو گا کہ مسلح افواج نے اس وقت ملک کو تباہی کے گڑھے سے بچانے کے لئے جو کارروائی کی تھی اُسے پوری قوم نے سراہا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ گزشتہ دو سالوں میں مسلّح افواج نے بعض مشکلات کے باوجود بڑی محنت ، فرض شناسی اور حبّ الوطنی سے اپنے فرائض انجام دیئے ہیں۔ میں انہیں اس اعلیٰ کارکردگی پر مبارکباد دیتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کے نئے دور میں بھی قوم کی توقعات پر پورا اتریں گی ۔

انتخابات ملتوی ہونے سے حکومت کو جو مزید وقت ملا ہے ، اس میں وہ حسب ذیل ترجیحات کے مطابق کام کرے گی :-

- نفاذِ اسلام کے عمل کو تیز تر کیا جائے گا ۔
- قومی معیشت کو بہتر بنانے کے لئے قومی پیداوار بڑھائی جائے گی اور برآمدات کو

فروغ دیا جائے گا۔

- اشیائے ضرورت کی قیمتیں مناسب سطح پر رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔
- رشوت ستانی، چوری اور ڈاکہ زنی کا سدّباب کیا جائے گا۔
- بیگار کیمپوں کی بیخ کنی کی جائے گی اور
- سنگین جرائم کے مرتکب افراد پر مارشل لا عدالتوں میں مقدمہ چلایا جائے گا۔

ان ترجیحات پر عمل کرنے سے انشاء اللہ حالات بدلیں گے، اسلامی جمہوریت کے لئے راہ ہموار ہو گی اور ملک اپنی صحیح منزل کی طرف گامزن ہو گا، لیکن اس میں کچھ وقت لگے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس درمیانی عرصے میں مجھے پہلے کی طرح عوام کا تعاون حاصل رہے گا اور ہم سب مل کر ملک کو مستحکم اسلامی، معاشی اور جمہوری بنیادوں پر کھڑا کر سکیں گے ـــــ انشاء اللہ !

پاکستان پائندہ باد

چینی افواج کے نائب سربراہ کے اعزاز میں دی گئی ضیافت کے موقع پر خطاب

۲۱ اکتوبر ۱۹۷۹ء

عوامی جمہوریہ چین کی پیپلز لبریشن آرمی کا ایک خیر سگالی وفد ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف مسٹر چانگ سائے چئن کی قیادت میں دس روزہ دورے پر ۲۰ اکتوبر کو اسلام آباد پہنچا۔ اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر وفد کا پر جوش خیر مقدم کیا گیا۔

دس روزہ دورے میں وفد کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ، ملتان، سرگودھا اور ٹیکسلا گیا اور وہاں فوجی ادارے اور تنصیبات دیکھیں۔

۲۱ اکتوبر کو دونوں وفود کے درمیان مذاکرات کا پہلا دور ہوا۔ پاکستانی وفد کی قیادت جنرل محمد ضیاالحق نے کی۔ اسی شب کو انہوں نے چینی وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ عشائیہ میں تقریر کرتے ہوئے صدرِ مملکت نے یقین ظاہر کیا کہ وفد کے دورے سے دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات اور زیادہ مستحکم بنانے میں مدد ملے گی۔ صدر نے کہا کہ عالمی اور علاقائی حالات میں تغیّرات کے باوجود پاک چین دوستی میں اضافہ ہوتا رہا ہے کیونکہ یہ دوستی باہمی مفاد اور بقائے باہمی کے اصول پر قائم ہے۔

چینی وفد کے لیڈر نے اپنی تقریر میں کہا کہ دونوں ملکوں کو بالادستی، سامراجیت اور نوآبادیت کے خلاف جدوجہد کا مشترکہ تجربہ ہے۔ پاکستان اور چین دونوں ترقی پذیر ملک ہیں اور ہمیں پرامن اور مستحکم بین الاقوامی ماحول کی ضرورت ہے۔ ان تمام عوامل نے دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے عوام کے تعلقات

گہرے ہوتے رہیں اور ہمیں یقین ہے کہ چین اور پاکستان کی مسلّح افواج ایک دوسرے کی بھرپور حمایت کرتی رہیں گی اور اپنے ملکوں کی تعمیر اور عالمی امن کے تحفّظ کے لئے شانہ بشانہ کام کریں گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّيۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡم

عالی مرتبت جناب چانگ سائے چِن ،

مادام پوتاؤ ،

چینی وفد کے دیگر ارکان ،

سفیرِ چین جناب سُو ژائی سِن اور مادام ٹو ہونگ ،

مہمانانِ گرامی ،

خواتین و حضرات !

السّلام علیکم ۔ ہمارے لئے یہ بڑے فخر اور خوشی کی بات ہے کہ ہمارے عظیم دوست اور ہمسایہ ملک ، عوامی جمہوریۂ چین کی افواج کے نائب چیف آف جنرل اسٹاف جن کا مقام ہمارے چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کے قریب ہے ، اپنی اہلیہ محترمہ اور افواجِ چین کے اعلیٰ نمائندوں کے ساتھ یہاں تشریف لائے ہیں ۔ میں اپنی ، اپنی اہلیہ ، افواجِ پاکستان ، پاکستانی عوام اور حکومتِ پاکستان کی جانب سے ان سب

کو خوش آمدید کہتا ہوں۔

جناب جنرل چانگ سائے چئن ! آپ کی آمد ہمارے لئے خصوصاً باعثِ مسرّت ہے کیونکہ پاکستان کے دیرینہ دوست کی حیثیت سے آپ نے دونوں ملکوں کے درمیان دوستی اور تعاون بڑھانے کے لئے نمایاں کام سرانجام دیئے ہیں۔ہمیں یقین ہے کہ آپ کا موجودہ دَورہ دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات کو مزید مستحکم بنانے میں مددگار ثابت ہوگا۔

آج سے تیس پینتیس سال پہلے طویل جدوجہد کے بعد ہمارے ممالک نے آزادی حاصل کی اور اپنے اپنے نظریّے کے مطابق اپنے وطن عزیز کی تعمیرِ نو میں مصروف ہوگئے۔ آزادی کے چند سال بعد ہمارے لیڈروں نے بنڈونگ کانفرنس میں ملاقات کے کچھ عرصے بعد باہمی دوستی کی بنیاد رکھی۔اس کے بعد کئی تغیّر و تبدل رونما ہوئے۔وہ لیڈر جنہوں نے اس دوستی کی بنیاد رکھی تھی، صفحۂ ہستی سے مِٹ گئے، بڑی طاقتوں کے رویّے میں تبدیلی آتی رہی، نئی سے نئی اقوام آزادی سے ہمکنار ہوتی رہیں اور ہم خود اَمن اور جنگ کے کئی تجربوں سے گزرتے رہے لیکن پاک چین دوستی ان تغیّرات کے باوجود روز بروز بڑھتی رہی اور انشاء اللہ بڑھتی رہے گی۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری دوستی موقع پرستی اور خود غرضی کی بجائے مفادِ باہمی اور بقائے باہمی کے اصول پر قائم ہے۔

جنابِ جنرل محترم ! پاکستانی عوام کے دل اپنے چینی بھائیوں کی محبّت، عزت اور خیر سگالی کے جذبات سے لبریز ہیں۔انہیں احساس ہے کہ چین نے ماضی میں ہمیشہ آڑے وقت میں ان کی مدد کی ہے۔میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ باہمی دوستی اور باہمی امداد کا یہ جذبہ انشاء اللہ ہمیشہ جوان رہے گا۔

مہمانانِ گرامی! ابھی حال ہی میں عوامی جمہوریہ چین کی تیسویں سالگرہ منائی گئی ہے۔ تیس سال کی اس قلیل مدت میں عظیم چینی عوام نے جس قدر ترقی کی ہے، اس کی مثال دورِ حاضر میں نہیں ملتی، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی یہ کامیابی ترقی کی جانب آپ کا صرف پہلا قدم ہے اور ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنے چار ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے ساتھ دُنیا کے ایک طاقتور اور خوشحال ملک کی حیثیت سے ابھریں گے۔

چین کی ترقی و خوشحالی ہمارے لئے باعثِ اطمینان و مسرت ہے، نہ صرف اس لئے کہ ہمارے دونوں ملکوں کے درمیان گہری دوستی ہے بلکہ اس لئے بھی کہ ہمیں پختہ یقین ہے کہ چین کی ترقی اور خوشحالی سے عالمی امن اور ترقی پذیر ممالک کی آزادی کو تقویت پہنچے گی۔ چنانچہ ہم دلی خواہش رکھتے ہیں کہ آپ ترقی کے موجودہ لانگ مارچ میں بھی جنگِ آزادی کے لانگ مارچ کی طرح مکمل کامیابی حاصل کریں۔

پاکستان کی مسلح افواج چینی افواج کے "لانگ مارچ" کی ہمسری یا برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتیں کیونکہ آپ کی افواج نے مسلح جدوجہد کے بعد عوامی جمہوریہ چین کا قیام ممکن بنایا جب کہ ہمارے ہاں برصغیر کے مسلمانوں نے "مسلم قومیت" کو منوا کر ایک علیحدہ وطن حاصل کیا، لیکن انہی مسلمانوں نے "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں مسلح افواج کو ایک اہم مقام دیا۔ انہوں نے انہیں نہ صرف بیرونی حملے سے بچانے کی ذمہ داری سونپی بلکہ اندرونی خلفشار سے ملک کو محفوظ رکھنے کا فرض بھی تفویض کیا۔ یہی وہ فرض ہے جسے پورا کرنے کے لئے مسلح افواج نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک کا نظم و نسق سنبھالا۔ ان کی کوشش ہے کہ جب تک ملکی ذمہ داریاں ان پر ہیں وہ نہ صرف لوگوں کی تکالیف کو دور کریں، ملکی وسائل کو حل کریں بلکہ صحیح معنوں میں اسلامی اقدار کو فروغ دیں۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ ہم انشاءاللہ تعالیٰ ان مقاصد میں ضرور سرخرو

ہوں گے۔

مہمانِ گرامی!

اپنے چینی دوستوں کی طرح ہم بھی اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ ہر ملک کے عوام کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ آزادی، سالمیّت اور ترقی کے لئے کسی طرح کی بیرونی مداخلت کے بغیر اپنے تمام وسائل بروئے کار لائیں۔ ہم اپنے ملک کی ترقی اور عوام کی خوشحالی کے لئے مقدور بھر کوششیں کر رہے ہیں۔ ترقی کی اس رفتار کو قائم رکھنے کے لئے ہم امن اور خیر سگالی کا ماحول قائم رکھنے کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔

ہم کسی کے حلقۂ اثر یا دائرہ تسلّط میں داخل ہونا نہیں چاہتے۔ ہم بڑی طاقتوں کی آویزش سے دور رہتے ہوئے اپنے عوام کی خوشحالی کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں۔ غیر جانبدار تحریک میں ہماری شمولیّت اس بات کی مظہر ہے کہ ہم ان اصولوں پر سختی سے کاربند رہے ہیں۔

جنابِ والا!

ایک مرتبہ پھر میں آپ کو، مادام پوتاؤ کو اور آپ کے وفد کے دیگر ارکان کو تہہ دل سے خوش آمدید کہتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ پاکستان میں آپ کا قیام خوش گوار رہے گا۔

معزز خواتین وحضرات!

اب میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میرے ساتھ روایتی انداز میں نیک تمناؤں کے اظہار میں شریک ہوں :-

○—— عالی مرتبت چیئرمین ہواکوفنگ کی صحت اور درازیٔ عمر کے لئے،

○—— عالی مرتبت نائب چیف آف جنرل اسٹاف جناب چانگ سائے چِئن

اوران کی اہلیہ محترمہ مادام پوتاؤ کی صحت اور خوشحالی کے لئے،

○ —— دوسرے معزز چینی مہمانوں کی صحت اور خوشحالی کے لئے،

○ —— عظیم چینی عوام کی ترقی اور خوشحالی کے لئے

اور

○ —— پاک چین دوستی کے روز بروز فروغ اور استحکام کے لئے۔

پاک چین دوستی زندہ باد

(پاچنگ یوای وان سوئی)

معذور بچوں کی بہبود اور ترقی کے موضوع پر ورکشاپ سے خطاب

۲۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء

۲۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام آباد میں "معذور بچوں کی بہبود اور ترقی" کے موضوع پر دو روزہ ورکشاپ کا افتتاح کیا جس کا اہتمام بچوں کے بین الاقوامی سال کے سلسلے میں وفاقی وزارتِ صحت کے سماجی بہبود کے شعبے نے کیا تھا۔

افتتاحی اجلاس میں وزارتِ صحت کے سیکرٹری اور بچوں کے بین الاقوامی سال کی تقریبات کے لئے قومی کمیٹی کے چیئرمین لیفٹیننٹ جنرل سی۔ کے حسن نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ بچوں کی بہبود اور ترقی کے لئے ایک قومی کمیشن قائم کیا جا رہا ہے جس کے تمام انتظامات مکمل کر لئے گئے ہیں۔ اس کمیشن، کے کاموں میں معذور بچوں کی بہبود اور بحالی کو نمایاں حیثیت حاصل ہو گی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ صدرِ مملکت کی ہدایات کے مطابق جسمانی طور پر معذور بچوں کے لئے ایک قومی کونسل بہت جلد قائم کر دی جائے گی۔

بیگم خدیجہ جی۔ اے۔ خان نے اپنے کلیدی مقالہ میں معذور بچوں کی بہبود کے کاموں میں درپیش مشکلات کی تفصیل بیان کی۔ انہوں نے خاص طور سے مالی وسائل اور تربیت یافتہ خواتین و حضرات کی کمی دور کرنے پر زور دیا۔

صدرِ مملکت نے اپنی افتتاحی تقریر میں معذور افراد کی ہمت اور حوصلہ کا بطورِ خاص ذکر کیا اور کہا کہ ان کی بہبود کے لئے نجی اور سرکاری سطح پر جو اقدامات کئے جا رہے ہیں وہ مسئلہ کی وسعت اور شدت کے مقابلے میں بہت کم ہیں اور قومی سطح پر اس مسئلہ کے حل کے لئے کوئی جامع منصوبہ زیرِ عمل نہیں ہے۔ صدر نے اپنی تقریر میں معذور بچوں کی نفسیاتی بحالی کی طرف بھی توجہ دلائی۔ صدر نے اعلان کیا کہ معذور

بچوں کے علاج معالجے کے لئے جو سرکاری اور نجی ادارہ آلات وسامان درآمد کرے گا، اس پر کوئی ڈیوٹی یا ٹیکس نہیں لیا جائے گا اور اندرون ملک اس طرح کے آلات وسامان کی ترسیل پر کوئی محصول بھی نہیں ہوگا۔

افتتاحی اجلاس میں وفاقی وزراء، ممتاز ڈاکٹروں، سماجی بہبود کی مختلف انجمنوں کے نمائندوں اور اعلیٰ حکام نے شرکت کی۔

افتتاحی تقریر کے بعد صدر نے نیشنل ہیلتھ لیبارٹریز کے مختلف شعبوں کا معائنہ کیا۔ اس کے بعد صدر نے ملک میں معذور افراد کی دیکھ بھال کا کام کرنے والی سماجی بہبود کی انجمنوں کے نمائندوں اور منتظمین کے ایک اجلاس کی صدارت کی۔ اجلاس میں ایک کمیٹی کی رپورٹ پر غور کیا گیا جو پورے ملک میں سماجی بہبود کی تنظیموں کے معائنے کے بعد مناسب سفارشات پیش کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

جنرل سی، کے، حسن،

اور

خواتین وحضرات!

السّلام علیکم۔ میں نے بیگم جی، اے۔ خان کا مقالہ اور جنرل سی، کے، حسن کی تقریر بڑے غور سے سُنی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ معذوروں کی بحالی اور آباد کاری کے لئے جس قسم کے لائحہ عمل کی ضرورت ہے ہم اس کی صحیح سمت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

میں گزشتہ دو سالوں میں معذوروں کی بحالی سے متعلق کئی تقریبات میں شریک ہوا ہوں اور چند اداروں میں نابیناؤں، اپاہجوں اور معذور لوگوں سے ذاتی طور پر ملا ہوں۔ ابھی تین چار روز پہلے انہی معذور مگر باصلاحیت افراد کا ایک گروہ میرے گھر پر مجھ سے ملا تھا۔ ان ملاقاتوں اور دوروں سے میں نے تین تاثرات اخذ کئے ہیں۔

پہلا تاثر مظلومیت اور ہمدردی کا ہے۔ معذوروں کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ کوئی چلنے سے معذور ہے تو کوئی بولنے اور سننے سے لاچار، کسی کے دونوں ہاتھ غائب ہیں اور کسی کی دونوں آنکھیں! میرے خیال میں کوئی بھی صاحبِ دل فرد انہیں دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرا دوسرا تاثر یہ ہے کہ یہ معذور افراد بڑے باہمت اور باحوصلہ ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف قدرت کی طرف سے دی گئی معذوری کا بڑے حوصلے سے مقابلہ کرتے ہیں بلکہ معاشرے کی بے دلی، سرد مہری اور ستم ظریفی کا بھی پامردی سے سامنا کرتے ہیں۔ میرا تیسرا تاثر یہ ہے کہ ان بے بس لوگوں کی بہبود کے لئے نجی اور سرکاری شعبے میں جو اقدامات کئے جا رہے ہیں وہ مسئلے کی وسعت اور شدت کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ بحالی اور بہبود کی یہ کوششیں زیادہ تر ذاتی یا انفرادی نوعیت کی ہیں اور قومی سطح پر اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے کوئی جامع اور مؤثر منصوبہ زیرِ عمل نہیں آیا۔

یہ ورکشاپ چونکہ صرف معذور بچوں سے متعلق ہے، اس لئے میں بچوں کی نفسیاتی بحالی کی طرف آپ کی خصوصی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، بچے معاشرے کے سب سے نازک اور سب سے حساس رکن ہوتے ہیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں اور چھوٹے چھوٹے تجربوں کو اپنے شعور اور تحت الشعور کا حصہ بناتے رہتے ہیں اور جب وہ سن و سال کے لحاظ سے بڑے ہو جاتے ہیں تو اپنے بچپن کے ان تجربات کی وجہ سے طرح طرح کے COMPLEX یا نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا معذور بچوں کی جسمانی بحالی کے ساتھ ساتھ ان کی نفسیاتی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ انہیں یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار جسمانی، ذہنی اور روحانی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اگر ایک صلاحیت یا نعمت یعنی ہاتھ، ٹانگ، آنکھ یا کان کسی بیماری یا حادثے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے واپس لے لی ہے تو باقی ساری صلاحیتیں تو موجود ہیں۔ ایک صلاحیت کے کھو جانے سے باقی

صلاحیتوں کو بیکار سمجھ کر زندگی بھر مایوسی اور پریشانی کا شکار بنے رہنا کسی طرح قرینِ مصلحت نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی بعض عنایات ایسی ہیں جن کے کھو جانے سے باقی صلاحیتوں سے بھی پوری طرح فائدہ اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے، لیکن اگر انسان میں حوصلہ ہو تو وہ ضرور باعزّت زندگی گزارنے کی راہ تلاش کر لیتا ہے، مثلاً اگر ایک شخص ٹانگوں سے معذور ہے تو وہ بیٹھے بیٹھے کئی کام کر سکتا ہے۔ جو لوگ بینائی سے محروم ہیں وہ یقیناً ایسے ہنر سیکھ سکتے ہیں جن میں صرف ہاتھ استعمال ہوتے ہیں۔ گویا معذور افراد کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ وہ جس جسمانی صلاحیت سے محروم ہیں اس کا غم کھانے کی بجائے ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں جو اب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کے پاس ہیں اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی انسان کو ایک صلاحیت سے محروم کرتا ہے تو وہ کسی اور طریقے سے اس کی تلافی بھی کر دیتا ہے۔

معذور بچوں کی بحالی میں ماہرین کے علاوہ والدین بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں کیونکہ ان بچوں کا زیادہ تر وقت — کم از کم ابتدائی سالوں میں — اپنے ماں باپ کے پاس گزرتا ہے۔ جیسا کہ بیگم جی۔ اے۔ خان نے کہا، اگر والدین انہیں ٹوٹے ہوئے فرنیچر کی طرح پچھواڑے میں پھینک دیں۔ اور انہیں نہ مہمانوں کے سامنے آنے دیں نہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے دیں تو یہ معذور بچے کس طرح معاشرے کے ذمہ دار افراد بننے کا حوصلہ کر سکتے ہیں۔ انہیں نظر انداز کرنے یا پسِ پشت ڈالنے کی بجائے ان پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ وہ محض ایک معذوری کی وجہ سے زندگی کی دوڑ سے دور رہنے کی کوشش نہ کریں۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو خالص ٹیکنیکل نوعیت کا ہے جس میں معذور بچوں کا علاج اور تربیت وغیرہ شامل ہے۔ اس کے لئے خصوصی ہسپتالوں، خصوصی عملے اور خصوصی آلات

کی ضرورت ہے ۔ ہمارے ہاں بہت سے معذور بچے صرف اس لئے ہمیشہ کے لئے معاشرے پر بار بن کر رہ جاتے ہیں کیونکہ انہیں بروقت طبّی سہولتیں میسر نہیں آتیں ۔ اندرونِ ملک یہ سہولتیں ناکافی ہوتی ہیں اور بیرونِ ملک ان کا حصول اتنا مہنگا ہوتا ہے کہ چند اہلِ ثروت افراد کے سوا اور کوئی انہیں برداشت کرنے کی ہمّت نہیں رکھتا ۔ جب ہم معذور بچوں کی ترقی اور بہبود کے متعلق سیمینار یا ورکشاپ منعقد کرتے ہیں تو ہمارے پیشِ نظر وہ بچے بھی ہونے چاہئیں جن کے والدین مالی مشکلات کی وجہ سے اندرونِ ملک یا بیرونِ ملک علاج کرانے کی سکت نہیں رکھتے ۔

اس مسئلے کا تیسرا پہلو معاشرے کی ذمہ داریوں سے متعلق ہے ۔ کوئی معاشرہ اس وقت تک صحیح معنوں میں مہذّب اور ترقی یافتہ کہلانے کا مستحق نہیں جب تک یہ اپنے معذور اور بے بس افراد کی نگہداشت کا بندوبست نہیں کرتا ۔ بے شک معذور بچوں کی بحالی کے لئے حکومت سے جو کچھ ہو سکا وہ کرے گی اور کر رہی ہے لیکن معاشرے کے خوشحال افراد کو اس سلسلے میں آگے بڑھنا چاہیئے اور رفاہ عامّہ کے ایسے ادارے کھولنے چاہئیں جن سے غریب لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں ۔ اگر یہ ملک واقعی اسلامی جمہوریۂ پاکستان ہے اور اس میں بسنے والے واقعی اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمانبردار ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ پشاور سے کراچی تک رفاہی اداروں اور ہسپتالوں کا جال نہ بچھ جائے ۔ اس سلسلے میں حکومت انہیں ہر قسم کی مراعات اور سہولتیں مہیا کرے گی ۔

میں اس ورکشاپ کے افتتاح کے موقع پر اعلان کرتا ہوں کہ معذور افراد خاص طور پر معذور بچوں کے علاجِ معالجے کے لئے جو سرکاری یا نجی ادارہ جو آلات یا ساز و سامان باہر سے منگوائے گا اس پر کوئی ڈیوٹی یا ٹیکس نہیں لیا جائے گا اور آج کل ان اشیاء کو ایک ضلع سے دوسرے ضلع یا ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنے پر جو محصول

لیا جاتا ہے وہ بھی معاف کر دیا جائے گا۔ ان مراعات کا اطلاق صرف ان اداروں پر ہو گا جو غیر تجارتی بنیادوں یعنی NON-PROFIT BASIS پر صرف رفاہی مقاصد کے لئے چل رہے ہیں یا آئندہ چلائے جائیں گے۔

آج اس ورکشاپ کی افتتاحی تقریب میں بہت سے ڈاکٹر، سماجی کارکن اور ماہرین تشریف فرما ہیں۔ وہ یقیناً اس دو روزہ ورکشاپ کے دوران اس مسئلے کے کئی پہلوؤں پر غور کریں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ ان کے ایجنڈے میں یقیناً وہ تربیتی، نفسیاتی اور سماجی پہلو بھی شامل ہوں گے جن کی میں نے ابھی نشاندہی کی ہے۔ مجھے ان کی مفصّل سفارشات کا انتظار رہے گا۔

میں مرکزی وزارتِ صحت کو یہ ورکشاپ منعقد کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اس کے نتائج جلد اُن معذور بچوں تک پہنچ سکیں گے جو ایک عرصے سے اس کے منتظر ہیں، انشاءاللہ!

پاکستان پائندہ باد

پریس کانفرنس سے خطاب

۲۷ اکتوبر ۱۹۷۹ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو دارالحکومت میں مقیم غیر ملکی اخبارات کے نمائندوں سے ملاقات کی اور مختلف سوالوں کے جواب دیئے۔ پریس کانفرنس میں غیر ملکی اخبار نویسوں کے علاوہ بیرونی اخبارات کی نمائندگی کرنے والے پاکستانی صحافی بھی موجود تھے۔ اس کانفرنس میں قریب کے ملکوں میں متعین کئی غیر ملکی صحافی بھی موجود تھے جو ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو انتخابات کے غیر معینہ مدّت تک التوا کے اعلان کے بعد آئے تھے۔ صدرِ مملکت نے پریس کانفرنس میں کوئی تفصیلی بیان نہیں دیا اور کہا کہ مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ میں اپنی ۱۶ اکتوبر کی تقریر میں کہہ چکا ہوں۔ اس کے بعد صدرِ مملکت نے اخبار نویسوں کے سوالات کے تفصیلی جوابات دیئے۔ پریس کانفرنس میں انتخابات کے غیر معینہ مدّت تک التوا کے بعد حکومت کے پروگرام اور خاص طور پر اسلامی نظامِ حکومت کے بارے میں ان کے خیالات سے متعلق سوالات کئے گئے۔ روزنامہ "حریت" کراچی میں چند روز پہلے صدرِ مملکت سے منسوب ایک انٹرویو کے بارے میں بھی سوالات کئے گئے جس میں اسلامی جمہوریت کے ڈھانچے کے بارے میں کچھ خیالات صدرِ مملکت سے منسوب کئے گئے تھے۔ صدرِ مملکت نے اس پریس کانفرنس میں بہت سے اہم بنیادی امور کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

صحافی حضرات !

السلام علیکم ۔ پاکستان میں بیرونی اخبارات کی نمائندگی کرنے والے اپنے دوستوں سے میں کافی عرصے سے نہیں ملا تھا ۔ مجھے معلوم ہوا کہ ۱۶ اکتوبر کو میری تقریر سے کچھ پہلے اور بعد میں کچھ اور صحافی بھی پڑوسی ملکوں سے یا دوسرے ملکوں سے پاکستان آئے ہیں۔ لہٰذا میں نے آپ سے ملاقات کے لئے اس موقع سے فائدہ اٹھانا مناسب سمجھا ۔

خود مجھے آپ سے کچھ نہیں کہنا کیونکہ میری ۱۶ اکتوبر کی تقریر میں ساری وضاحتیں موجود ہیں ۔ اگر آپ کوئی سوال کرنا چاہیں یا کسی نکتہ کی وضاحت چاہتے ہوں تو مجھے وضاحت کر کے یقیناً خوشی ہوگی ۔

سوال : جنابِ صدر ! کیا آپ کے ذہن میں اسلامی جمہوریت کا کوئی خاص ڈھانچہ ہے ؟

جواب : اسلام کوئی خاص طرزِ حکومت پیش نہیں کرتا ، لیکن بنیادی اصول دیتا ہے ۔ یہ میرا فرض ہے کہ ان اصولوں کا تحفّظ کروں ۔ ۱۹۷۳ء کے دستور میں جسے میں نے منسوخ نہیں

کیا ہے' ایک کلاز ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں نہ صرف اسلامی احکام کی پابندی کی جائے گی بلکہ یہ بھی یقینی بنایا جائے گا کہ پاکستان میں اسلامی احکام کے خلاف کوئی چیز نافذ نہ کی جا سکے۔ بس یہی میرے پیش نظر ہے۔ میرے پاس کوئی خاص ڈھانچہ نہیں ہے، لیکن اس بات کا آپ کو یقین کرنا چاہیئے کہ اسلام یہ نہیں کہتا کہ بادشاہت یا اس طرح کی کوئی چیز ہونی چاہیئے۔ اسلام نے کوئی طرزِ حکومت متعین نہیں کیا ہے۔ اسلام نے اصول متعین کئے ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ۱۹۷۳ء کے دستور کے ڈھانچے میں رہتے ہوئے اسلامی اصولوں پر عمل کیا جائے۔

سوال : لیکن "حریت" میں آپ کے حوالے سے اسلامی جمہوریت کا ایک خاکہ شائع ہوا ہے، اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے ؟

جواب : "حریت" نے ایک طرح کا تبصرہ شائع کیا ہے جس میں کچھ کہا گیا ہے۔ میں مختلف معاشرتی طبقوں کے حضرات سے ملتا رہا ہوں اور اسلام کے حامی افراد سے ملتا رہتا ہوں۔ ہم ایک ڈھانچہ کی تشکیل میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ کبھی کبھی میں اس طرح بھی سوچتا ہوں جس طرح کہ "حریت" نے شائع کیا ہے۔ آپ اسے میری "لاؤڈ تھنکنگ" سے تعبیر کر سکتے ہیں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ پاکستان میں تمام قوانین کو اور معاشرے کے تمام شعبوں کو حتی الامکان اسلام کے مطابق بنایا جائے۔ آئین کے مطابق ایک اعلیٰ اختیاراتی اسلامی نظریاتی کونسل ہے جو اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیتی رہتی ہے کہ کیا چیز اسلام کے مطابق ہے اور کیا چیز اسلام کے خلاف ہے۔ یہ کونسل قوانین کو اسلامی بنانے کا کام بھی کر رہی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ ضرورت ہوئی

تو میں دس بارہ ارکان پر مشتمل ایک اور کمیٹی بھی اس غرض سے مقرر کروں گا کہ وہ قوانین کو یا معاشرے کو اسلام کے مطابق بنانے کے لئے ضروری تبدیلیوں پر غور کرنے اور یہ دیکھے کہ اس مقصد کو کس طرح بہترین طریقے سے پورا کیا جا سکتا ہے اور ان امور پر کس طرح اتفاق رائے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بس یہی میرا مطلب تھا۔

سوال : آپ کہتے ہیں کہ کسی بنیادی تبدیلی کے لئے ریفرنڈم لازمی ہوگا۔ کیا یہ اسلام کے مطابق ہے ؟

جواب : یہ نہ صرف اسلام کے مطابق ہے بلکہ پاکستان کے آئین کے مطابق بھی ہے۔ کسی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے لئے بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ یک طرفہ فیصلے کرے۔ ایک بار کسی مسئلہ پر اختلاف رائے ہو جائے تو پھر اتفاق رائے پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی صورت میں عوام کا مینڈیٹ لینا پڑے گا۔ لہٰذا اگر میرے کچھ خیالات ہیں، مجھے کچھ کرنا ہے جس سے معاشرے کے قوانین پر اثر پڑتا ہو، ایسے ملکی قوانین پر جن کی آئین کی رو سے بڑی اہمیت ہے، تب ایسی صورت میں، میرا خیال ہے کہ اس کا بہترین طریقہ ریفرنڈم ہوگا، لیکن فی الحال ہمارا ایسا کوئی پروگرام نہیں ہے۔

سوال : جنابِ صدر ! آپ نے ملک میں نفاذِ اسلام کا عمل شروع کر دیا ہے۔ کیا آپ یہ فرمائیں گے کہ نفاذِ اسلام کا یہ عمل کب تک مکمل ہو جائے گا ؟

جواب : میں آج آپ کو یہ نہیں بتا سکتا کہ اس میں کتنا وقت لگے گا، لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم اس عمل کو جتنا آگے لے گئے ہیں، پاکستان کی ۳۲ سالہ تاریخ میں کسی حکومت نے نفاذ اسلام کو اتنا آگے نہیں بڑھایا اور میں اس عمل کو انشاء اللہ مکمل کروں گا۔ جہاں تک قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کا تعلق ہے، اس نقطۂ نظر سے تو وقت

کی کوئی پابندی میرے پیش نظر نہیں ہے، لیکن انشاء اللہ میں اس خواہش کو ضرور پورا کروں گا جو نہ صرف میری ذاتی خواہش ہے بلکہ پاکستانی عوام کی خواہش ہے۔

سوال : جنابِ صدر! کیا ووٹ کا حق صرف ان لوگوں تک محدود رکھنے کا ارادہ ہے جو اچھے مسلمان کہلائے جاسکیں۔ آپ کیسے اندازہ کریں گے کہ کون اچھا مسلمان ہے اور کون اچھا مسلمان نہیں ہے؟

جواب : غلام اسحاق صاحب کہتے ہیں کہ اچھا مسلمان وہ ہے جو قرآن پڑھتا ہو اور اس پر عمل کرتا ہو، لیکن اس کے باوجود بھی یہ اندازہ کرنا مشکل کام ہے۔ آپ کسی کے دل کا حال تو معلوم نہیں کر سکتے۔ یہ تو خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے۔ پاکستان میں یقیناً ذمہ دار افراد ہونے چاہئیں۔ ذمہ دار افراد سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ کسی نے مجھ سے یہ بیان بھی منسوب کر دیا تھا کہ میں پاکستانی خواتین کو ووٹ کے حق سے محروم کر دینا چاہتا ہوں۔ آپ رائے دہندگان کی آدھی تعداد کو جو خواتین پر مشتمل ہے، الگ کیسے کر سکتے ہیں۔ آپ یہ گاڑی ایک پہیئے پر نہیں چلا سکتے۔ اسے دونوں پہیوں پر چلنا ہے اور دوسرے پہیئے کو بھی اتنا ہی مضبوط ہونا چاہیئے جتنا کہ ایک پہیئے کو! یہ میری ذاتی رائے ہے۔

سوال : پاکستان کی غیر مسلم اقلیتوں کو خوف ہے کہ انہیں اسلامی جمہوریۂ پاکستان میں اپنے حقوق سے محروم کر دیا جائے گا۔

جواب : چونکہ پاکستان ایک اسلامی جمہوریہ ہے، اسلام یہاں کا سرکاری مذہب ہے، اس لئے اقلیتوں کو یہاں زیادہ حقوق حاصل رہیں گے کیونکہ اسلام یعنی پاکستان کا سرکاری مذہب غیر مسلموں کو اس سے بھی زیادہ تحفظ دیتا ہے جتنا کہ خود مسلمانوں کو! غیر مسلم

اقلیتیں چاہے وہ عیسائی ہوں، ہندو ہوں، بدھ ہوں، کوئی بھی ہوں انہیں اسلام زیادہ تحفظ دیتا ہے اور خاص طور سے عیسائیوں کے بارے میں تو ہمارا ایمان ہے کہ وہ اہلِ کتاب ہیں۔ لہٰذا ہم نے ۱۹۷۳ء کے دستور میں ترمیم کر کے جداگانہ انتخابات رکھے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو مسلمان ووٹ دے گا اور غیر مسلم کو غیر مسلم ووٹ دے گا، لیکن غیر مسلموں کو بھی اول درجہ کے شہری کی حیثیت سے وہی حقوق حاصل ہوں گے۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے پاکستانیوں کو حاصل ہوں گے۔

سوال : جنابِ صدر! آپ نے فرمایا ہے کہ آپ حکومتی نظام اسلام کے مطابق بنائیں گے۔ اسلامی نظام سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیا اس طرح کے نظام کا کوئی ماڈل اس وقت دنیا میں کہیں موجود ہے؟

جواب : نہیں، آج کی جدید دنیا میں اس کا صحیح معنوں میں کوئی ماڈل موجود نہیں ہے، لیکن اصول ہمارے پاس موجود ہیں۔ ماضی میں ان اصولوں پر کس طرح عمل ہوتا رہا ہے، یہ ہمیں معلوم ہے۔ ہماری تاریخ ہے، ہمارے پاس قرآن اور سنتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ اللہ کا کلام اور اس کے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عمل ہمارے پاس موجود ہے۔ ہمارا تاریخی سرمایہ اتنا ہی بیش قیمت ہے جتنا بیش قیمت کوئی بھی تاریخی سرمایہ ہو سکتا ہے۔ ماضی میں اسلامی اصولوں پر عمل ہوتا رہا ہے۔ آج کی جدید دنیا میں ہم ہو بہو اس زمانے کا معاشرہ قائم نہیں کر سکتے، لیکن جیسا کہ میں نے شروع میں کہا تھا، اسلام طرزِ حکومت کا تعین نہیں کرتا۔ یعنی یہ کہ جمہوریت ہو، بادشاہت ہو، یا پایئرٹ ہو یا کوئی اور طرزِ حکومت ہو۔ اسلام صرف اصول مقرر کرتا ہے اور آج بہت سے اسلامی ممالک ہیں جہاں اسلامی قوانین پر عمل کیا جا رہا ہے۔ ہمارے پڑوس میں ایران ہے جو اس وقت تمام قوانین کو اسلامی بنانے میں مصروف ہے۔ سعودی

عرب ہے، خلیج کے ممالک ہیں، دوسرے اسلامی ممالک ہیں، دنیا کے بانوے کروڑ پچاس لاکھ مسلمانوں کا اسلامی ریاستوں سے تعلق ہے، وہ اسلام پر عمل کرتے ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ جو چیز ہمیں انتہائی لچکدار طریقۂ زندگی دیتی ہے وہ اسلام ہے اور ہم اپنی بہترین صلاحیتوں کے مطابق آج کے حالات میں اپنی روزمرہ ضرورتوں کو اس طریقۂ زندگی کے ساتھ پورا کر سکتے ہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں دوہرا اعتقاد نہیں رکھنا چاہیئے کہ ہم زبان سے کچھ کہتے ہوں اور عمل کسی اور چیز پر کرتے ہوں۔

سوال : جنابِ صدر! اگر آج کی دنیا میں اسلامی ریاست کا کوئی ماڈل موجود نہیں ہے تو از راہِ کرم ہمیں بتائیے کہ اسلامی طرزِ حکومت کیا ہوتا ہے؟

جواب : طرزِ حکومت تو کوئی بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا اسلام یہ نہیں کہتا کہ سب کے اوپر ایک حکمران انسان ہوگا یا کوئی مشاورتی کونسل ہوگی۔ اب تک ہمارے ہاں خلفاء ہوئے ہیں، بادشاہ ہوئے ہیں، مذہبی لیڈر ہوئے ہیں، یہ سب کچھ ہوا ہے۔ میرے ذہن میں کوئی بنیادی ڈھانچہ نہیں ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کردوں یا قوم کے سامنے پیش کردوں۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ ہم جس چیز پر زور دے رہے ہیں وہ اسلام ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام آج نازل نہیں ہوا۔ اسلام تو چودہ سو سال پہلے آیا تھا اور یہ ترقی پذیر رہا ہے۔ اب لوگوں نے، مسلمانوں نے اور غیر مسلموں نے اسلام میں کچھ دلچسپی لینی شروع کردی ہے۔ اس کو اسلام کا احیاء کہا جا رہا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام ایک زندہ اور متحرک طرزِ زندگی ہے۔ یہ ایک دین ہے مذہب نہیں ہے کیونکہ یہ آپ کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ یہ کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس میں چند رسوم ہوں اور خاص خاص مواقع کے لئے کچھ قوانین ہوں۔ اسلام پوری زندگی پر محیط ہے۔ لہٰذا ہم یہ کہتے

ہیں کہ اسلامی طرز زندگی چودہ سو سال سے موجود چلا آتا ہے۔ اب ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہم سے اگر کوئی لغزش ہوئی تو کہاں ہوئی۔ ہمارا اپنا ایک طرزِ حیات ہے جس میں اسلامی اقدار کے مطابق کچھ چیزوں پر زور دیا جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی کو اسلامی احکام کے مطابق بنائیں۔ آج کی جدید دنیا میں لوگوں کا رُخ زیادہ تر مغربی معاشرے کی طرف ہوتا ہے جو غیر مسلم معاشرہ ہے۔ میں انہیں بے عمل یا دہریہ نہیں کہتا۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ وہ غلط راستے پر ہیں۔ مغربی معاشرہ ایک جدید معاشرہ ہے۔ اس کی اپنی اقدار ہیں۔ اس کو کچھ برتری بھی حاصل ہے۔ وجہ کچھ بھی ہو، لیکن کچھ عرصہ سے مغربی معاشرے کو دوسرے کلچروں پر برتری حاصل ہے۔ ہم تو صرف یہ کوشش کر رہے ہیں کہ مغربی تہذیب سے مستفید ہوں یعنی اس کی جو اچھی باتیں ہیں، جو باتیں اس نے ہم سے لی ہیں یا ہم کو دی ہیں، ہم ان کو بھی اسلامی اقدار کے مطابق بنائیں اور مغربی تہذیب کا جو بہترین حصہ ہم لے سکتے ہیں اور جو کچھ اسلام نے ہمیں دیا ہے اس کو ملا کر اس پر عمل کریں۔ یہ ہیں اجمالاً میرے خیالات۔

سوال : پاکستان کا آئین مغربی ماڈل کی طرز پر بنا ہوا ہے۔ آپ اس کا نفاذِ اسلام سے جوڑ کیسے لگائیں گے اور دوسرے یہ کہ اسلامی قانون کی تعبیر کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں متضاد آراء ہیں جن کی وجہ سے ان کے درمیان اختلاف ہے۔ اس نا اتفاقی کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ تمام فرقوں کیلئے ایک مشترکہ حکومتی ڈھانچہ تشکیل دے دیا جائے۔

جواب : میں آپ کے آخری نکتے کو پہلے لوں گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ نا اتفاقی ہوگی کیونکہ تعبیر و تفسیر کے بارے میں تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن قرآن ایک ہے اور سنتِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک ہے۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ بعض پہلوؤں سے تعبیر میں یا تفسیر میں اختلافات ہو سکتے ہیں، لیکن ان اختلافات کی بنا پر عالم اسلام میں تفرقہ کبھی نہیں پڑا۔ خود آپ کے ہاں عیسائیت کے بیشمار فرقے ہیں، کیتھولک ہیں، پروٹیسٹینٹ ہیں۔ آپ کے ہاں بھی مختلف فرقے ہیں، لیکن ان کی وجہ سے ملک میں کوئی نااتفاقی نہیں ہوگی۔

جہاں تک پاکستان کے آئین کا تعلق ہے، یہ صحیح ہے کہ اس کا بنیادی ڈھانچہ جدید ماڈل پر ہے جس طرح کہ کسی دوسرے جدید آئین کا ڈھانچہ ہوتا ہے، لیکن اس آئین میں ایک بنیادی کلاز ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ایک اسلامی نظریاتی کونسل ہوگی جو یہ دیکھے گی کہ کوئی ایسی بات نہ کہی جائے، نہ کی جائے جو اسلامی احکام کے خلاف ہو۔ میں نے انہیں یہ اختیار بھی دے دیا ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ پاکستان میں کوئی ایسا قانون رائج نہ ہو جو قرآن اور سنّت کے منافی ہو۔ میرا خیال ہے کہ اسلامی اقدار ہمیں جدید دنیا، جدید معاشرے سے قریب تر لائیں گی کیونکہ ہمارے پاس ایک ایسی چیز ہے جس کی ہم انتہائی قدر کرتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اس وقت دنیا کے مغربی معاشرے بھی اپنا مفاد اسلامی دنیا میں دیکھتے ہیں۔ مجھے یقین کہ آپ بھی اسے پسند کریں گے کہ جو ملک خود کو اسلامی کہتا ہے وہ اس پر عمل بھی کرے۔ ہم اپنی اسلامی اقدار پر فخر کرتے ہیں۔

سوال : جنابِ صدر! میں ان اسلامی قوانین کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں جن کے نفاذ کا اعلان آپ نے اس سال فروری میں کیا تھا۔ آپ نے بعض اسلامی سزائیں نافذ کی ہیں۔ مختلف جرائم کے لئے اسلامی سزاؤں کے نفاذ کا عمل کب تک مکمل ہو جائے گا؟

جواب : میرے محترم! اسلام نے ہر طرح کے جرائم کی سزائیں مقرر نہیں کی ہیں۔ اسلام نے چار پانچ جرائم کے لئے صرف چار سزائیں مقرر کی ہیں جنہیں حدود کہا جاتا ہے۔ حدود کا

مطلب انتہا ہے یعنی زیادہ سے زیادہ جو سزا دی جاسکتی ہے حدود وہ سزا ہے۔ یہ حدود قرآن میں دی گئی ہیں۔ ہم نے ان پر پورا پورا عمل کیا ہے اور میں نے پچھلے سال فروری میں انہیں نافذ کیا، لیکن میں نے کہا کہ ہمارا معاشرہ جدید خطوط پر بڑھا ہے، مغربی طرز پر اٹھا ہے، لہٰذا نامکمل اقدامات سے کام نہیں چلے گا۔ البتہ آپ یا میں معاشرے کو ایک رات میں آناً فاناً بدل نہیں سکتے۔ اگر کچھ تبدیلیوں کا آنا لازمی ہو گیا ہے تو یہ تبدیلیاں ارتقائی طریقے سے آنی چاہئیں، انقلابی طریقے سے نہیں۔ آپ میرے الفاظ نوٹ کریں کہ میں انقلابی طریقے پر نہیں بلکہ ارتقا پر یقین رکھتا ہوں۔ اب دیکھئے ہم نے چار حدود قوانین نافذ کئے ہیں، ہم نے ان قوانین کو شائع کیا، ہم نے اپنی فوجداری دفعات میں سے جن چند کو اسلام کے مطابق بنایا ان کا تعلق ان چار جرائم سے پہلے بھی تھا۔ ہم نے ان دفعات کو اسلامی شکل دے دی۔ ہم نے ان جرائم کے لئے اسلامی سزائیں مقرر کر دیں، لیکن ہم نے کوئی اسلامی عدالت قائم نہیں کی۔ ہم نے موجودہ عدالتوں ہی کو کام کرتے رہنے کا موقع دیا ہے۔ یہ عدالتیں اینگلو سیکسن لا کے مطابق کام کر رہی ہیں۔ ہم نے ان عدالتوں کو اختیارات دے دیئے ہیں اور ان کا اپنا نظام ہے۔ دوسرے لفظوں میں مقدمہ پہلے ابتدائی سطح پر جاتا ہے اس کے بعد دوسرے اپیلیٹ کورٹ میں جاتا ہے اور تب یہ آخری اپیلیٹ عدالت میں جاتا ہے، لیکن ان اسلامی قوانین کے تحت ہم نے ابھی تک کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ زنا کے مقدمے میں کسی کو سنگسار کر کے ہلاک نہیں کیا اور شراب پینے کے جرم میں یا کسی کی توہین کرنے پر کسی کو کوڑے نہیں مارے، لیکن یہ تمام سزائیں مارشل لا آرڈر کے تحت ایک حد تک پوری کی گئی ہیں۔ لہٰذا اپنا ذہن صاف کر لیں اور کہیں کوئی مضمون یا غیر ملکی اخبارات میں کوئی تبصرہ وغیرہ پڑھ کے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ کوئی لکھتا ہے کہ پاکستان میں

اسلامی قوانین کے تحت ۸۰ افراد کو فلاں فلاں جرم پر کوڑے مارے گئے ہیں۔ واقعہ یہ نہیں ہے۔ یہ تمام سزائیں جو ہم نے دی ہیں وہ مارشل لا آرڈرز کے تحت دی گئی ہیں۔ اسلامی قوانین کے تحت ابھی تک کسی کو سزا نہیں دی گئی کیونکہ ہم نے اپنی عدالتوں کے طریقۂ کار کے مطابق قانونی عمل کو جاری رکھا ہے۔ ہماری عدالتیں جس طریقۂ کار کے مطابق کام کر رہی ہیں اس کو آپ صحیح معنوں میں اسلامی عدالتوں کا طریقۂ کار نہیں کہہ سکتے ہمارے ہاں عدالتیں اب بھی تعزیراتِ پاکستان کے مطابق اینگلو سیکسن طریقے پر کام کر رہی ہیں جو جرائم کے بارے میں اسلامی قوانین کا اطلاق کرتی ہیں اور جو شہادتوں کو اسلامی قانونِ شہادت کے مطابق پرکھتی ہیں، لیکن ہم نے اس عدالتی ڈھانچے میں ایک اپیلیٹ کورٹ کا اضافہ کر دیا ہے۔ بہت سے مقدمات ہیں جن میں سزائیں دی گئیں جو شہادتوں کے مطابق تھیں۔ جج یا وکیل یا مجسٹریٹ کی بہترین قابلیت کے مطابق دی گئی تھیں، لیکن یہ سزائیں جو دی گئیں وہ اس جرم کی زیادہ سے زیادہ مقررہ سزا سے کم تھیں۔

سوال: کیا پورے تعزیراتِ پاکستان کو اسلامی قوانین کے مطابق بنانے کے لئے تبدیل کیا جائے گا؟

جواب: معاملہ یہ نہیں ہے۔ ہم نے اسے پہلے ہی قطعی شکل دے لی ہے۔ تمام کارروائیاں مکمل کر لی گئی ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے فائنل ریڈنگ مکمل کر لی ہے۔ وزارتِ قانون نے اس کی توثیق کر دی ہے۔ اب اسے قطعی منظوری کے لئے کابینہ کے سامنے آنا ہے۔ منظوری کے فوراً بعد ایک قانون نافذ کیا جائے گا۔ یہ باتیں میں قتل کے مقدمات کے بارے میں کر رہا ہوں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلامی نظریاتی کونسل موجودہ تعزیراتِ پاکستان کو بھی اسلامی سانچے میں ڈھال رہی ہے۔ یہ عمل ساتھ ساتھ جاری ہے اور ہمارا اندازہ ہے کہ آئندہ سال ڈیڑھ سال کے عرصے میں پورے

تعزیراتِ پاکستان کو اسلام کے مطابق بنانے کا کام مکمل ہو جائے گا۔ لیکن جو چیز ہم چند ماہ میں مکمل نہیں کر سکتے وہ مالیاتی قوانین ہیں جن کے لئے ۱۲ فروری ۱۹۷۸ء کو میں نے تین سال کی مدت دی تھی کہ اس عرصے میں انہیں قطعی طور سے اسلامی قوانین کی شکل دے لی جائے۔

سوال : جب آپ نے اقتدار سنبھالا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ آپ نوّے دن میں انتخابات کروائینگے۔ سپریم کورٹ نے آپ کی حکومت کو قانونِ ضرورت کے مطابق جائز قرار دیا تھا۔ اب انتخابات دوبارہ ملتوی کئے جا چکے ہیں۔ کیا آپ کا مستقبل قریب میں انتخابات کرانے کا پروگرام ہے؟

جواب : میں کئی بار کہہ چکا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اپنی صاف بیانی سے اور انتخابات کے بارے میں اتنے پر زور الفاظ استعمال کر کے میں نے اپنا کام بہت مشکل کر لیا ہے۔ ہاں میں ابتدا میں صرف نوّے دن کے لئے آیا تھا، ہمیں الیکشن ملتوی کرنے پڑے، سپریم کورٹ نے ہمیں ایک مینڈیٹ دیا، لیکن اب میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ جب تک ہمیں یہ احساس نہیں ہو جائے گا کہ جن بنیادی مقاصد کے لئے ہم نے ۵ جولائی کو اقتدار سنبھالا تھا وہ مقاصد پورے ہو گئے ہیں، اس وقت تک میں انتخابات کرانے کے تعیش میں ملوث نہیں ہوں گا۔ ازراہِ کرم سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے غلط الفاظ مجھ سے منسوب نہ کیجئے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ پاکستان کا یا کسی بھی دوسرے ملک کا مسئلہ ایک مستقل مارشل لا حکومت سے حل نہیں ہو سکتا۔ یہ بات آپ کو بھی صاف طور سے سمجھ لینی چاہیئے اور میرا ذہن بھی اس بارے میں صاف ہے۔ لہٰذا ہمیں بالآخر انتخابات کرانے پڑیں گے۔ ہمیں ایک عمل شروع کرنا پڑے گا۔ ایک جمہوری عمل چاہے آپ اسے مغربی جمہوری عمل کہیں یا میرے الفاظ میں اسے اسلامی عمل قرار دیں۔ ہمیں ایک ایسا طریقہ بہرحال اختیار

کرنا پڑے گا جس کے نتیجے میں عوام کے نمائندے سامنے آئیں اور آج کے حالات میں یہ طریقہ انتخابات کا ہے۔ مستقل مارشل لا کا ہونا نہ تو ملک کے لئے اچھا ہے اور نہ قابلِ عمل ہے۔ ہمیں الیکشن کرانے پڑیں گے، لیکن الیکشن اسی صورت میں ہوں گے جب ملک چلانے کے لئے عوام کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا موقع دینے کا صحیح وقت آ جائے گا۔

سوال : ہمیں، آپ کو یا کسی کو بھی یہ کیسے معلوم ہو گا کہ الیکشن کا صحیح وقت آگیا ہے؟

جواب : اگر آپ نے ۱۶ تاریخ کی میری تقریر سنی ہے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ میں نے اپنے آپ کو چار نکاتی منشور کا پابند کیا ہے۔ پہلی چیز ہے امن و امان کی صورتِ حال جو گزشتہ کئی سال سے مسلسل خراب ہوتی رہی ہے۔ ہم اپنے زمانے میں اس صورت حال کو اس لئے ٹھیک نہیں کر سکتے کہ میں نے مارشل لا کو اس طرح نہیں چلایا جس طرح چلانا چاہیئے تھا۔ دوسری چیز ہے اقتصادی صورت حال۔ ہم اقتصادی صورتِ حال کو اس حد تک درست کرنا چاہتے ہیں کہ کم از کم عام آدمی کی مشکلات کم ہو جائیں۔ تیسری بات ہے کہ ضرورت مندوں کو جلد انصاف مہیا کیا جائے اور چوتھی چیز ہے بدعنوانی کا خاتمہ۔ قوانین کو اسلامی بنا کر ان چاروں نکات کو پورا کیا جائے گا۔ یہ چار چیزیں ہیں۔ جیسے ہی ان چار معاملات میں بہتری آئے گی، حالات درست ہوں گے تو آپ دیکھیں گے کہ میں پاکستان میں پہلا آدمی ہوں گا جو یہ اعلان کرے گا کہ انتخابات فلاں فلاں تاریخ کو ہوں گے۔

سوال : جنابِ عالی! امن و امان کی صورتِ حال میں جو بہتری آئی ہے اسے ہم نے خود دیکھا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ مارشل لا حکام کے اقدامات کے نتیجے میں قیمتوں کی صورتِ حال بہتر ہو گئی ہے۔ ہمارے خیال میں تو آپ کے ملک کے حالات الیکشن کرانے کے لئے سازگار ہیں۔

جواب: جی ہاں۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے لیکن میں آپ سے یہ بھی کہوں گا کہ ذرا احتیاط سے کام لیں۔ میری اس بات کو اہمیت دیں۔ آپ نے بھی یہ باتیں سنی ہوں گی کہ لوگوں کے حواس کچھ بحال ہو رہے ہیں اور امن و امان کی صورتِ حال میں کچھ بہتری آئی ہے، قیمتوں میں کچھ کمی آ رہی ہے لیکن اس کے باوجود میں انہیں عارضی آثار سمجھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اثرات کسی اچانک مہم یا سخت گیری یا ہمارے انتظامی اقدامات کی شدت کا نتیجہ ہوں۔ اصل صورتِ حال کا علم اس وقت ہو گا جب ہم اس عمل کو مثلاً چھ یا آٹھ ہفتے تک جاری رکھیں، اس کے بعد ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں یا نہیں۔ لیکن آپ کا جو بنیادی سوال ہے وہ قطعاً صحیح ہے میں کہتا رہتا ہوں کہ پاکستان کا مسئلہ سیاسی نہیں ہے، ایک ترقی پذیر ملک کی حیثیت سے ایک ایسے ملک کی حیثیت سے جس کے پاس بہت سے وسائل ہیں، لیکن ان وسائل کو پوری طرح بروئے کار نہیں آنے دیا گیا، ہمارا مسئلہ اقتصادی ہے۔ میرے ساتھ ایک ماہر ہیں، مسٹر غلام اسحاق جو کابینہ کے رکن کی حیثیت سے میرے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ کابینہ بنیادی طور سے معیشت کے مسئلہ پر توجہ دے رہی ہے۔ ہم نے کچھ اقدامات مختصر مدت کے لئے اور کچھ اقدامات لمبی مدت کے لئے طے کئے ہیں، اگر آپ کو دلچسپی ہو تو میں مسٹر غلام اسحاق سے کہوں کہ وہ آپ کو مختصراً بتائیں کہ اب تک ہم نے کیا کچھ کیا ہے اور کیا کچھ کرنے کا ارادہ ہے۔

سوال: ملک کو درپیش مختلف مسائل کے بارے میں بڑے بڑے فیصلے کس طرح کئے جاتے ہیں؟

جواب: میں چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر ضرور ہوں۔ میں نے کئی فیصلوں کو تبدیل بھی کیا ہو گا، لیکن ایسا نہیں ہے کہ میں جو چاہوں، جس طرح چاہوں کروں۔ میں ایک تعمیری، مثبت حکومت

چلا رہا ہوں جو ایک کابینہ پر مشتمل ہے۔ اس کابینہ میں میرے رفقاء شامل ہیں جن میں سے کچھ اس وقت یہاں موجود ہیں۔ وہ سب مل کر فیصلے کرتے ہیں اور جب کوئی مشکل معاملہ درپیش ہوتا ہے تب یقیناً یہ میرا اختیار ہے کہ میں اپنی بہترین صلاحیت کے مطابق فیصلہ کروں لہٰذا یہ فیصلہ کہ ملک کی کیا صورت حال ہے، ملک کے لئے آئندہ کیا کرنا ہے، ہم ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک کس طرح آگے بڑھیں، یہ سب مشترکہ فیصلے ہوتے ہیں جو پاکستانی عوام کی خواہشات کو سامنے رکھ کر کابینہ میں کئے جاتے ہیں۔ اس خدشہ کا بار بار اظہار کیا گیا ہے کہ اگر انتخابات نہ ہوئے تو پاکستان ٹوٹ جائے گا، اگر سیاسی مسائل کو حل نہ کیا گیا تو ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔ فیصلہ ہم نے کیا ہے۔ ہم اپنے ملک کو دوسروں سے بہتر جانتے ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستان میں ایک نہایت مضبوط اور مستحکم حکومت اور مملکت بننے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے بشرطیکہ ہم ان بنیادی معاملات کو جن کا آپ نے ابھی ذکر کیا ہے، اپنے پیشِ نظر رکھیں۔ معیشت ہمارا مسئلہ ہے، اگر ہم معیشت کو صحیح راستے پر ڈال سکیں تو سیاسی مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

سوال: آپ نے فرمایا ہے کہ آپ عوام کی رائے کو سامنے رکھ کر فیصلے کرتے ہیں۔ سیاسی پارٹیوں پر پابندی ہے۔ سیاستداں جیلوں میں ہیں، ایسی صورت میں عوام کی رائے کا یا ان کے اتفاق رائے کا علم ہونا کیسے ممکن ہے؟

جواب: جی ہاں! آپ کی دنیا میں اور ہماری دنیا میں یہ غلط تصور پایا جاتا ہے کہ صرف وہ چند افراد ہی ملک کی نمائندگی کرتے ہیں جو خود کو سیاسی لیڈر کہلواتے ہیں۔ وہ سب کہتے تھے کہ الیکشن کرواؤ جب کہ جہاں تک میرا اور میرے رفقائے کار کا تعلق ہے ہم نے یہ دیکھا کہ مسئلہ کا اصل حل انتخابات نہیں ہیں اور میں نے اسے صحیح ثابت کیا ہے۔

سوال : جنابِ صدر ! اس وقت آپ کے پاس دو عہدے ہیں۔ آپ چیف آف آرمی اسٹاف بھی ہیں اور ملک کے صدر بھی ہیں، لیکن یہ صورتِ حال غیر معیّنہ مدّت تک جاری نہیں رکھی جا سکتی اور آپ ہمیشہ کے لئے مارشل لا حکومت نہیں چلا سکتے۔ کیا آپ نے موجودہ صورتِ حال کو ختم کرنے کا کوئی پروگرام بنایا ہے اور پاکستان کے آئندہ نظام کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا ہے ؟

جواب : آپ نے بالکل ٹھیک کہا۔ اب وقت آگیا ہے کہ مجھے آئندہ کے نظام کے بارے میں فیصلہ کرنا پڑے گا کیونکہ جیسا آپ نے کہا مارشل لا حکومت ہمیشہ کے لئے نہیں چلائی جا سکتی، میں ہمیشہ کے لئے چیف آف آرمی اسٹاف نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا جلد یا بدیر ہمیں یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آئندہ پاکستان میں حکومتی نظام کیا ہو۔

میں نچلی سطح سے جمہوریت کا آغاز کرنے کا حامی تھا یعنی بلدیاتی اداروں کے انتخابات کرانا چاہتا تھا۔ تمام سیاسی پارٹیاں اس کے خلاف تھیں۔ ہم نے کابینہ میں اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ اگر ہم ملک میں ایک جمہوری نظام کھڑا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں پہلے نچلی سطح پر جمہوریت لانی ہوگی۔ ہمارا فیصلہ صحیح ثابت ہوا۔ لہٰذا جب میں عوام کی متفقہ رائے کی بات کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایسے اقدامات کر سکتے ہیں جن سے رائے عامہ کا اندازہ کیا جا سکے۔ مختلف اداروں، مختلف افراد، مختلف شخصیتوں سے رابطے کے ذریعے پتہ چلا سکتے ہیں، حالانکہ ہم ملک کے منتخب نمائندے نہیں ہیں۔ لہٰذا جب میں اتفاق رائے کہتا ہوں تو اس سے میری مراد یہ ہوتی ہے کہ پاکستان کے عوام کیا سوچتے ہیں اور اگر کبھی کسی انتہائی اہم فیصلے کی ضرورت پڑی تو ہم ریفرنڈم بھی کروا سکتے ہیں۔

سوال : کیا ایک جنرل کی حیثیت سے آپ عملی سیاست میں حصّہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں ؟

جواب : اس سلسلے میں بھی میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ پہلے مجھ سے یہی سوال پوچھا جاتا تھا تو میں صاف کہہ دیتا تھا کہ میں سیاست میں حصہ نہیں لوں گا۔ جب میں کہتا تھا کہ سیاست میں حصہ نہیں لوں گا تو لوگ کہتے تھے کہ یہ سیاست میں حصہ لیں گے۔ لہٰذا اب میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں نے جو کام اپنے ذمہ لیا ہے اسے پورا کروں گا اور جب یہ کام پورا ہو جائے گا اس کے بعد دیکھا جائے گا۔

سوال : جنابِ صدر ! نیوکلیئر ٹیکنالوجی کا آپ کا پروگرام پاکستان اور امریکہ کے درمیان ایک متنازعہ مسئلہ بنا ہوا ہے۔ امریکہ کا اصرار ہے کہ یہ پروگرام پرامن مقاصد کے لئے نہیں ہے جب کہ دوسری طرف آپ مسلسل کہتے ہیں کہ یہ پروگرام پرامن مقاصد کے لئے ہے۔ کوئی ایسا طریقہ ہے کہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان اس اختلاف کو ختم کیا جا سکے ؟ آپ امریکہ سے کہتے ہیں کہ اس کا خیال غلط ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ امریکہ اپنے ماہرین پاکستان بھیجے، سی آئی اے کو بھیجے اور وہ خود آکر یہ دیکھ لیں کہ پاکستان ایٹمی ہتھیار نہیں بنا رہا !

جواب : نہیں! ہم نے امریکہ سے یہ تو نہیں کہا ہے۔ البتہ ہم نے یہ کہا ہے کہ آپ ہمارے دوست ہیں، ہمیں ایک دوسرے کا اعتبار کرنا چاہیئے اور اگر ہمیں ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہے تو آئیے بات چیت کے ذریعے ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کریں۔ یہی ایک طریقہ ہے جو ہم اختیار کر سکتے ہیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ آپ ری پراسیسنگ پلانٹ کے ساتھ انسپکٹر بھیجنا چاہتے ہیں، نگرانی کی ضمانت چاہتے ہیں تاکہ ہم بم بنانے کے لئے پلوٹونیم نہ چرا سکیں۔ ضرور ایسا کیجئے لیکن انہوں نے کہا کہ پاکستان کو ری پراسیسنگ پلانٹ ملنا ہی نہیں چاہیئے۔ لہٰذا میرے خیال میں پاکستان کے خلاف اس کا امتیازی سلوک مناسب نہیں ہو گا۔

سوال : جنابِ صدر ! آپ کے سارے دوست آپ کے ایٹمی پروگرام کے مخالف ہیں، لیکن آپ

کا اصرار ہے کہ آپ یہ پروگرام جاری رکھیں گے۔ آپ کے نیوکلیئر پروگرام کے بارے میں دنیا بھر میں جو رائے پائی جاتی ہے اس کے پیش نظر کیا آپ اپنے پروگرام پر نظر ثانی نہیں کر سکتے ؟

جواب : میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے سارے دوست ہمارے ایٹمی پروگرام کے خلاف ہیں۔ ہمارے کئی دوست ہیں جو ہم سے اتفاق کرتے ہیں کہ ہمیں اپنا یہ پروگرام جاری رکھنا چاہیئے اور غالباً اس کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ ہمارے کچھ دوست مثلاً امریکہ، ہم سے اتفاق نہیں کرتے۔ لہٰذا سوال رائے کا ہے کہ ہم جس پروگرام پر عمل کر رہے ہیں وہ صحیح ہے یا غلط ہے اور رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور اس پر بات چیت کی جا سکتی ہے۔ ہم یہی کر رہے ہیں ہم ان مذاکرات کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو مسٹر آغا شاہی یہاں موجود ہیں، وہ آپ کو بریف کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو اتنا بتا سکتا ہوں کہ مذاکرات کے بارے میں تعمیری سوچ ہمارے خیال میں بہت حوصلہ افزا ہے۔ میرے خیال میں مختلف ملکوں کے درمیان اچھے تعلقات کے لئے جس چیز کی اہمیت سب سے زیادہ ہے وہ مذاکرات کا جاری رہنا ہے۔ بات چیت اور رابطہ جاری رہنا چاہیئے۔ اب تک ہم اس میں کامیاب رہے ہیں اور میرے خیال میں مذاکرات جاری رہنے سے افہام و تفہیم کا دائرہ بڑھے گا۔

سوال : جنابِ صدر ! کیا پاکستان کی طرف سے پر امن ایٹمی دھماکہ کا امکان ہے ؟

جواب : کسی نے نیویارک میں مجھ سے یہی سوال کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ ازراہ کرم ذرا یہ بتا دیجئے کہ پر امن دھماکہ کسے کہتے ہیں اور کس دھماکے کو کہتے ہیں کہ یہ پر امن نہیں ہے۔ مجھے ابھی تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ دونوں میں کیا فرق ہے۔ ۱۹۷۴ء میں یہی ہوا تھا اور پتہ چلا تھا کہ یہ "پر امن دھماکہ" ایٹمی ہتھیاروں کے حصول کی کوشش ہے۔

سوال : آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کا پروگرام پرامن مقاصد کیلئے ہے ۔ کیا واقعی ایسا ہے ؟

جواب : نہیں، یہ مطلب نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پروگرام کا تمام تر رُخ توانائی کے ایٹمی وسائل کی طرف ہے، ایٹم بم بنانے کی طرف نہیں ۔ ایٹمی وسائل سے توانائی کے حصول کے لئے اپنے پروگرام کی تکمیل میں ہمیں جن اقدامات کی ضرورت پڑے گی وہ ہم ضرور کریں گے ۔

سوال : یہ کیسے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کوئی دھماکہ پرامن مقاصد کے لئے ہے یا غیر پرامن مقاصد کے لئے ؟

جواب : میں نے تو خود کہا ہے کہ "پرامن ایٹمی دھماکہ" کوئی چیز نہیں ہوتا ۔ ایٹمی دھماکہ جب کیا جاتا ہے وہ جتنا پرامن ہوسکتا ہے اتنا ہی غیر پرامن ہوسکتا ہے ۔ ایٹمی دھماکہ تو دو دھاری تلوار ہوتا ہے ۔ توانائی کے وسیلے کے طور پر ایٹمی تحقیق کا ایک بے ضرر پروگرام ہوسکتا ہے جس کے لئے ممکن ہے دھماکہ کا تجربہ بھی کرنا پڑے ۔ اسی طرح کا دھماکہ ایٹمی ہتھیار بنانے کے مقصد سے بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ دونوں میں کسی طرح کا فرق نہیں ہے ۔ لہٰذا یہ سوچ ہی غلط ہے کہ کون سا دھماکہ پرامن ہوگا اور کون سا دھماکہ پرامن نہیں ہوگا ۔ میری رائے میں "پرامن ایٹمی دھماکہ" جیسی کسی چیز کا وجود نہیں ہے ۔ دھماکہ کوئی بھی ہو، صحیح مقصد سے کیا جائے یا غلط مقصد سے کیا جائے، اسے غیر پرامن اقدامات کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے ۔

سوال : جنابِ صدر ! کسی نے آپ سے یہ بیان منسوب کیا ہے کہ اپنے ایٹمی پروگرام کے ایک ذیلی حصے کے طور پر آپ دھماکہ کرنے والے ہیں ؟

جواب : میں نے ایسی بات کبھی نہیں کہی، صرف یہ کہا ہے کہ ہم فیصلہ کے اختیار سے دستبردار نہیں ہوں گے ۔ میں صرف یہی کہوں گا کہ میں کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا ۔

سوال: جنابِ صدر! افغانستان اور پاکستان میں کچھ اختلافات ہیں جن کی وجہ سے دونوں ملکوں کے تعلقات بہت اچھے نہیں ہیں۔ آپ کی حکومت دونوں ملکوں کے درمیان اچھے اور مخلصانہ تعلقات کے لئے کوششیں کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں ہم آپ کے خیالات جاننا چاہتے ہیں۔

جواب: یہ ہمارا ارادہ ہے اور خواہش ہے کہ افغانستان کے ساتھ ہمارے بہت دوستانہ تعلقات ہوں۔ افغانستان ایک اچھا پڑوسی ہے اور پاکستان کی تیئیس سالہ تاریخ میں ہمارے افغانستان کے ساتھ ہم آہنگی کے تعلقات رہے ہیں۔ ہمارے درمیان اختلافات بھی رہے ہیں، لیکن ان اختلافات کے ہوتے ہوئے بھی ہمارے درمیان بہت اچھے تعلقات تھے۔ ہم نے بھارت کے ساتھ تین جنگیں لڑیں اور ہمارا رخ ہر وقت مشرق کی طرف ہی رہا ہے۔ تینوں بار ہمیں مغرب کی طرف سے کوئی خدشہ نہیں ہوا۔ لہٰذا ہمارے درمیان طویل رفاقت ہے۔ افغانستان کے ساتھ ہماری ایک طرح سے مفاہمت ہے، لیکن بدقسمتی سے ہمارے خیال میں نہیں بلکہ ان کے خیال میں کچھ معاملات پر اختلاف ہے۔ میں نے گزشتہ ڈھائی سال کے عرصے میں کافی کوششیں کی ہیں۔ صدر داؤد کے ساتھ مذاکرات بھی کئے ہیں، لیکن بدقسمتی سے وہ جا چکے ہیں۔ ہوانا میں صدر ترہ کی کے ساتھ میری بات چیت نہایت مفید رہی۔ میں آپ کو سچی بات بتاتا ہوں، آپ اسے آف دی ریکارڈ رکھیں کیونکہ ہماری بات چیت راز داری میں ہوئی تھی، ہم نے گھنٹوں باتیں کیں۔ میں نے صدر ترہ کی سے پوچھا کہ آپ کے پاکستان کے ساتھ کیا اختلافات ہیں؟ انہوں نے کہا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہمارا آپ سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ آیئے ہاتھ ملائیں۔ اس کے بعد ہم نے ہاتھ ملائے اور ہماری بات چیت شروع ہوئی۔ ہماری بات چیت کوئی ڈھائی گھنٹے جاری رہی اور سارے مسائل ختم

ہو گئے۔ بس یہ باقی رہ گیا تھا کہ ایک بار ترا کی پاکستان کا دورہ کریں اور ایک دفعہ میں افغانستان جاؤں۔ اب نئی افغان حکومت کی طرف سے مسٹر آغا شاہی کو دورۂ کابل کی دعوت ملی ہے اور وہ جلد ہی افغانستان جائیں گے۔ ہم نے ابھی وقت کا تعیّن نہیں کیا، لیکن یہ دورہ جلد ہی ہوگا۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ اس سلسلے کو کس طرح آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

صحافی : شکریہ جناب صدر!

صدر : آپ حضرات کا بھی بہت بہت شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

عوامی جمہوریۂ چین کے فوجی وفد کی طرف سے دی گئی ضیافت کے موقع پر خطاب

۲۸ اکتوبر ۱۹۷۹ء

عوامی جمہوریۂ چین کے فوجی وفد اور پاکستان کے فوجی وفد کے درمیان مذاکرات کا دوسرا اور آخری دور ۲۸ اکتوبر کو ہوا۔ اسی شب کو چینی وفد کے قائد اور پیپلز لبریشن آرمی کے ڈپٹی چیف آف جنرل اسٹاف، جنرل چانگ سائے چین نے صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے اعزاز میں جوابی ضیافت دی۔

ضیافت سے پہلے ایک سادہ اور پر وقار تقریب ہوئی جس میں صدرِ مملکت نے چینی وفد کے قائد، جنرل چانگ سائے چین کو "ہلالِ پاکستان" کا اعلیٰ اعزاز دیا۔ یہ تقریب دونوں وفود کے درمیان بات چیت کے دوسرے اور آخری دور کے فوراً بعد منعقد ہوئی تھی۔ اس تقریب میں صدر نے پیپلز لبریشن آرمی کے ڈپٹی کمانڈر (ایئر فورس) جناب CAI LIHUAI اور ڈپٹی کمانڈر پیپلز لبریشن آرمی (نیوی) جناب MEI JIASHENG کو "ہلالِ قائدِ اعظم" کے اعزاز دیئے جب کہ چینی وفد کے دو اور ممبران جناب YDU TAIZONG اور جناب YIN ZUOCHEN کو "ستارۂ پاکستان" کے اعزاز دیئے گئے۔

ضیافت میں تقریر کرتے ہوئے چینی وفد کے قائد جنرل چانگ سائے چین نے کہا کہ ہمارے وفد نے پاکستان میں بہت اچھا وقت گزارا اور مذاکرات انتہائی دوستانہ اور خوشگوار ماحول میں ہوئے۔ انہوں نے مذاکرات کو انتہائی اہم قرار دیا اور کہا کہ اس سے دونوں ملکوں کی دوستی اور بڑھے گی۔ انہوں نے پاکستان کے مختلف شہروں میں اپنے اور اپنے وفد کے شاندار استقبال اور مہمان نوازی پر شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چینی عوام اور پیپلز لبریشن آرمی کے لئے پاکستانی عوام کتنے گہرے دوستانہ جذبات رکھتے ہیں۔ انہوں نے پاک چین دوستی کو ایک ایسے درخت سے تعبیر کیا

جس کی جڑیں پاکستانی اور چینی عوام کے دلوں میں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ درخت ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے گا۔

صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنی جوابی تقریر میں جنرل چانگ سائے چین کے جذبۂ محبت اور خیر سگالی پران کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ دونوں وفود کے مذاکرات سے افہام و تفہیم کی اس فضا کو اور فروغ ملے گا جو دونوں ملکوں کی مسلح افواج کے درمیان پائی جاتی ہے۔ صدر نے پاک چین دوستی کے مسلسل فروغ کے لئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عالی مرتبت جناب چانگ سائے چِن،
مادام پوتاؤ،
چینی وفد کے دیگر ارکان،
پاکستان میں چینی سفیر جناب سوای سن اور مادام ژوہونگ،
مہمانانِ گرامی اور
معزز خواتین و حضرات!

السلام علیکم ۔ آج شام چینی دوستوں کی جانب سے منعقد کی گئی اس شاندار ضیافت میں شرکت میرے اور میرے احباب کے لئے باعثِ عزت اور وجہ افتخار ہے۔ اس میزبانی کے لئے میں اپنے چینی دوستوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس موقع پر جناب چانگ سائے چِن نے جذبۂ محبت اور خیر سگالی سے بھرپور جو تقریر کی ہے میں اسے قدر اور تشکر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

جناب جنرل چانگ سائے چئن! پاکستان میں آپ کا دس روزہ قیام ہمارے لئے بے حد خوشی اور فخر کا باعث ہے۔ ان چند دنوں میں آپ پاکستان کے مختلف حصّوں میں تشریف لے گئے اور ہماری عسکری زندگی کی جھلکیاں دیکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ دوستی، محبّت اور خیر سگالی کے جن جذبات کا میں اپنی تقریر میں اظہار کر رہا ہوں اس کی شہادت آپ کو لاہور، کوئٹہ، کراچی، پشاور اور دیگر مقامات پر بھی مِل ہوگی۔ میری خواہش ہے کہ آپ اپنی اہلیہ محترمہ اور دوسرے رفقاء سمیت پھر تشریف لائیں اور ہماری عسکری زندگی اور ملکی ترقی کو ذرا تفصیل سے دیکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے موجودہ دورے کی طرح آئندہ بھی دونوں ممالک کے درمیان دفاعی وفود کا تبادلہ باہمی دوستی اور اخوّت کو مزید فروغ دے گا۔

جناب چانگ سائے چئن! چین نے انتھک محنت اور عظیم قربانیوں کے بعد ترقی اور خوشحالی کا جو معیار قائم کیا ہے وہ ترقی پذیر ممالک کے لئے بالعموم اور پاکستان کے لئے بالخصوص قابلِ تقلید ہے۔ آپ نے عمومًا ثابت کر دیا ہے کہ ایک متحد اور بااعتماد قوم غیر ملکی سہاروں کے بغیر ترقی کی منزلیں بخوبی طے کر سکتی ہے۔ ہم بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کر رہے ہیں اور چینی مثال سے حوصلہ اور تقویّت پاتے ہیں۔

جنابِ والا! آپ کے دورۂ خیر سگالی نے ایک دفعہ پھر ہمیں موقع فراہم کیا ہے کہ ہم باہمی دلچسپی کے امور پر تفصیلی طور پر تبادلۂ خیال کر سکیں۔ ہمارے حالیہ مذاکرات نہ صرف دوستی اور خیر سگالی کے قابلِ رشک ماحول میں ہوئے بلکہ ان کے دوران باہمی معاملات، علاقائی مسائل اور بین الاقوامی صورتِ حال کے متعلق مکمل اتفاق رائے بھی پایا گیا۔ ان مذاکرات سے یقینًا افہام وتفہیم کی اس فضا کو فروغ ملے گا جو دونوں ملکوں کی مسلح افواج کے درمیان پائی جاتی ہے۔

مہمانِ گرامی ! آپ اپنا موجودہ دَورہ ختم کر کے کل صبح وطن واپس روانہ ہو رہے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ واپسی پر حکومتِ پاکستان، پاکستانی عوام، پاکستانی مسلّح افواج اور میری اپنی جانب سے اپنے راہنماؤں، اپنے عوام، اپنی حکومت اور اپنی مسلّح افواج تک نیک خواہشات اور دوستانہ جذبات پہنچا دیں۔ ہم اپنے چینی بھائیوں کے لئے بھرپور دوستی اور عظیم بھائی چارے کے جذبات رکھتے ہیں۔

معزّز خواتین و حضرات ! اب میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میرے ساتھ روایتی انداز میں نیک تمنّاؤں کے اظہار میں شریک ہوں :

- عالی مرتبت چیئرمین ہواکوفنگ کی صحت اور درازیٔ عمر کے لئے،
- عالی مرتبت نائب چیف آف جنرل اسٹاف جناب چانگ سائے چِن اور ان کی اہلیہ محترمہ مادام پوتاؤ کی صحت اور خوشحالی کے لئے،
- دوسرے چینی دوستوں کی صحت اور خوشحالی کے لئے،
- آج کی اس تقریب میں جن خواتین اور حضرات نے شرکت کی ان کی صحت اور تندرستی کے لئے،
- عظیم چینی عوام کی ترقی اور بہبود کے لئے

اور

- پاک چین دوستی کے روز بروز فروغ اور استحکام کے لئے !

پاک چین دوستی زندہ باد

(پاچِنگ یو ای وان سوئی)

پندرھویں صدی ہجری تقریبات کمیٹی کے اجلاس سے افتتاحی اور اختتامی خطاب

۵ نومبر، ۱۹۷۹ء

۵ نومبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت نے راولپنڈی میں پندرھویں صدی ہجری تقریبات کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کی۔ اجلاس میں صوبائی گورنروں، وفاقی وزیروں، بعض وفاقی سیکرٹریوں، یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر حضرات اور قومی کمیٹی برائے ہجری صدی کے عہدیداروں اور اراکین نے شرکت کی۔ کمیٹی نے پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات منانے کے لئے صوبائی اور وفاقی سطح پر کئی پروگراموں کی منظوری دی۔

قومی کمیٹی برائے ہجری صدی تقریبات کے چیئرمین جناب اے۔کے بروہی نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اس موقع سے تعمیری انداز میں فائدہ اٹھانا چاہیئے تاکہ اس سے معاشرے کو فائدہ پہنچے۔

صدرِ مملکت نے کمیٹی کے اجلاس سے افتتاحی خطاب کیا اور اجلاس کے دوران موجود رہے۔ اجلاس کا اختتام بھی صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی تقریر پر ہوا۔

افتتاحی خطاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

معزّز شرکاء!

السّلام علیکم۔ اس انتہائی اہم اجلاس کے آغاز پر نہ صرف ہجرہ کمیٹی کے اراکین کا بلکہ خواتین اور وائس چانسلروں کا بھی خیر مقدم کرتا ہوں جو آج اس اجلاس میں موجود ہیں۔

اس طرح کے مواقع ایک سو سال میں ایک بار ہی آیا کرتے ہیں اور اس سے قطع نظر کہ موقع ہجرہ صدی کا ہے یا کسی اور چیز کی سو سالہ تقریبات کا' ایسے مواقع کی اہمیّت اس وجہ سے بھی ہوتی ہے کہ وہ ایک سو سال بعد آتے ہیں اور آئندہ سو سال بعد آئیں گے۔ میں اسی نقطۂ نظر سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں ہر لحاظ سے اس موقع کی اہمیت کا پورا پورا احساس کرنا چاہیئے کیونکہ یہ صرف سو سال کا معاملہ نہیں' اس کی اہمیت ہمارے لئے اس وجہ سے بہت زیادہ ہے کہ اس کا تعلق اسلام سے ہے۔ اس صدی کے اختتام کے ساتھ ہی ہم پندرھویں صدی ہجری میں داخل ہو رہے ہیں اور چودھویں صدی جس سے ڈرایا جاتا رہا ہے اور جسے خاصی بدنامی ملی ہے' وہ ہم سے رخصت ہو رہی ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے اس سے زیادہ اہمیّت

کس چیز کی ہو سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مزید ایک سو سال بعد نئی صدی ہجری کی تقریبات میں شرکت کے لئے نہ تو میں موجود ہوں گا اور نہ آپ خواتین و حضرات میں سے کوئی موجود ہو گا۔ شاید ہماری اولاد میں سے یا ان کی اولاد میں سے کوئی موجود ہو اور اس بات پر فخر کر سکے کہ پندرھویں صدی کی تقریبات ہمارے بزرگوں نے کس طرح منائی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ اور کچھ نہیں تو آج ہم جن تقریبات کا فیصلہ کریں گے ہماری اولاد یا ان کی اولاد اگلی صدی کی تقریبات کے موقع پر ان میں سے کچھ پر عمل کریں۔ آج ہمیں اسی بات پر غور کرنا ہے کہ ہجرہ صدی کی تقریبات کس طرح منائی جائیں۔ ہمیں جائزہ لینا ہے کہ ہمارے سامنے مشکلات کیا ہیں۔ ہماری مشکلات کا تعلق مالیات سے ہے لہٰذا ہمیں کفایت، بچت اور دوسری چیزوں پر غور کرتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ ہم ہجرہ صدی تقریبات پر بے تحاشا پیسہ خرچ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا کوئی تقریب کتنی ہی اہم کیوں نہ ہو ہمیں فضول خرچی سے بچنا ہو گا۔

دوسری چیز جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے علم میں بھی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ تقریبات صرف پاکستان ہی میں نہیں منائی جا رہی ہیں۔ تمام مسلم ممالک کے وزرائے خارجہ نے اپنے ایک اجلاس میں ایک پروگرام اتفاق رائے سے منظور کیا، مختلف حکومتوں کو یہ پروگرام بھیجا اور ہر حکومت نے اس کی توثیق کر دی ہے۔ اسی پروگرام کے مطابق ہم نے بعض تقریبات منانے کا سوچا ہے اور اسی پروگرام کے مطابق تقریبات منائیں گے۔ اس سلسلے میں ایک کمیٹی یعنی ہجرہ صدی تقریبات کے لئے قومی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کے اجلاس گزشتہ ایک سال سے ہو رہے ہیں۔ بروہی صاحب ہر اجلاس میں شریک رہے۔ ان کا حکومت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم ان کے انتہائی شکرگزار ہیں کہ اگرچہ وہ اب حکومت میں نہیں رہے، اس کے باوجود یہ ذمہ داری انہوں نے قبول کی۔ اب ان کا وزارت مذہبی امور سے تعلق نہیں رہا، لیکن میری درخواست پر وہ ہجرہ صدی تقریبات کمیٹی کے

اجلاسوں کی صدارت روزِ اوّل سے کر رہے ہیں۔

میں نے بعض ممتاز شخصیتوں کو جن میں خواتین اور حضرات دونوں شامل ہیں، آج کے اجلاس میں شرکت کی خصوصی دعوت دی ہے تاکہ ہم ان کے خیالات اور تجاویز سے بھی مستفید ہوں اور ہجرہ صدی تقریبات منانے کے لئے جو پروگرام تیار کیا گیا ہے اس کو اور بہتر بنانے کے لئے انکی موجودگی سے فائدہ اٹھائیں۔

اس سے پہلے کہ میں تفصیلات بتانے کے لئے بروہی صاحب کو زحمت دوں، چند چیزوں کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک خاص چیز جس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اور جو ایجنڈے کا پہلا آئٹم ہے، وہ ہے تعلیم عامہ کی توسیع۔ بیگم عطیہ عنایت اللہ کو اس سلسلے میں یہاں آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ہم ان کے خیالات سننا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان تقریبات کو منانے میں خواتین بھی اسی سرگرمی سے حصہ لیں جس سرگرمی سے حضرات حصہ لے رہے ہیں، صرف اس وجہ سے نہیں کہ آبادی میں خواتین کا تناسب پچاس فی صد یا ساٹھ فی صد ہے، بلکہ اس کے علاوہ بھی ان کی شرکت کی اپنی اہمیت ہے۔ اگر ہم تعلیم عامہ پروگرام سے آغاز کریں اور وقت پر اپنی بحث کو مکمل کر لیں تو میں سمجھتا ہوں کہ میری، آپ کی، ہم سب کی طرف سے یہ سب سے بڑی خدمت ہوگی اس ملک کی۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے۔

اس کے علاوہ تقریبات کے ایجنڈے میں کچھ اور آئٹم بھی اہم ہیں اور انہیں بہتر بنایا جاسکتا ہے تو ان پر بھی غور کیا جائے۔ ان میں سے کچھ طویل مدّت کے اقدامات ہیں، کچھ مختصر مدّت کے اقدامات ہیں اور کچھ کا دارومدار اس پر ہے کہ ہمیں پیسے کتنے ملتے ہیں یعنی کچھ اقدامات کے مؤثر ہونے یا نہ ہونے کا انحصار اس پر ہے کہ ہمیں کتنا پیسہ ملتا ہے، ملتا بھی ہے یا نہیں، لیکن تعلیم عامّہ کا پروگرام ایک ایسا پروگرام ہے جس پر ہمیں سر جوڑ کر غور کرنا چاہیئے کہ ہم کم از کم ہجرہ صدی تقریبات کے آئندہ دو سال کے دوران پاکستان میں خواندگی میں تیز رفتاری کے ساتھ کس

طرح اضافہ کر سکتے ہیں اور کس طرح اس لائق ہو سکتے ہیں کہ تقریبات کے دو سال ختم ہونے پر کہہ سکیں کہ خواندگی کے میدان میں ہم نے یہ نتائج حاصل کئے ہیں۔ پاکستان میں خواندگی کا تناسب تو بائیس [۲۴] فی صد ہے اور ہم کہتے یہ ہیں کہ پاکستان اسلامی جمہوریہ ہے۔ خواتین میں خواندگی کی شرح صرف چودہ [۱۴] فی صد اور مردوں میں اکیس [۲۱] فی صد خواندگی، ایسا اندھیرا، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ملک جدید ملک ہے، ترقی پذیر ملک ہے اور ہم پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات منا رہے ہیں۔ ہم کس فریب میں مبتلا ہیں؟ سری لنکا تک میں خواندگی کی شرح اسّی [۸۰] فی صد سے زیادہ ہے۔ اور بہت سے ملک ہیں۔ عراق نے بھی خواندگی میں زبردست اضافہ کیا ہے، کچھ عرصہ پہلے جب میں ان سے ملا تو صدر صدام حسین نے مجھ سے کہا کہ دو سال پہلے جس دن سے ہم نے خواندگی بڑھانے کی مہم شروع کی ہے اسی دن سے خواندگی میں اضافے کے سلسلے میں حیرت انگیز کامیابیاں ہمیں حاصل ہو رہی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ دوسری قوموں کے مقابلے میں ہم میں کسی طرح کی کمی ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس ایک نکتے پر ہم پوری توجہ دیں۔

اب میں بروہی صاحب سے کہوں گا کہ وہ تفصیلات بتائیں۔ ہم سب بحث میں حصہ لیں گے اور پروگرام کو آخری شکل دیں گے تاکہ کام کا آغاز کیا جائے۔

ہم نے اس چیز کی بڑی تشہیر کی ہے۔ ہم گزشتہ آٹھ دس روز سے لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنی تجاویز بھیجیں، لیکن جنرل مجیب نے مجھے بتایا ہے کہ آج تک کہیں سے کوئی تجویز موصول نہیں ہوئی۔ مجھے اُمید ہے کہ آج کے اجلاس کی کارروائی کے بعد اس کی کافی پبلسٹی کی جائے گی۔ ہمیں آپ سب خواتین و حضرات کی تجاویز بھی چاہئیں اور عام لوگوں سے بھی تجاویز چاہئیں کیونکہ ہم ۲۲ رنومبر سے کام کا آغاز کر دینا چاہتے ہیں۔ ۲۲ رنومبر کو پہلی محرم ہے۔ امید ہے تمام ممالک ایک ساتھ تقریبات منائیں گے۔ ہم پورے جوش کے ساتھ آغاز کرنا چاہتے ہیں، پوری قوت کے ساتھ تاکہ اس کا بھرپور اثر ہو۔

اختتامی خطاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

شرکائے محترم!

جس چیز پر غور کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ میں دوبارہ آپ کے سامنے وعظ نہیں کروں گا نہ لمبی تقریر کروں گا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب بہت سے دانشور ذہن اکٹھے ہو جاتے ہیں تو خیالات کا ملاپ ہوتا ہے بعض نکات پر خیالات میں تضاد ہوتا ہے، بعض نکات پر دانشورانہ غور وفکر کیا جاتا ہے، فلسفیانہ خیالات ہوتے ہیں، بعض چیزوں کے عملی پہلو ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ قصہ مختصر یہ کہ جب تک یہ بات ہمارے دل میں نہیں ہوگی کہ ہم مسلمان ہیں ہمیں اسلام کے لئے کچھ کرنا چاہیئے اور یہ ملک اسلام کے نام پر ہی بنا تھا، اس وقت تک جو کچھ ہے وہ وعظ ہی وعظ ہے، باتیں ہی باتیں ہیں، اگر ہم پاکستان کے ساڑھے آٹھ کروڑ عوام کو متحد کر سکتے ہیں تو دنیا کے باقی بیاسی کروڑ مسلمانوں کو بھی متحد کر سکتے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں مسلمانوں کی تعداد ساڑھے بانوے کروڑ ہے کچھ یہ تعداد ایک ارب بتاتے ہیں۔ بہرحال، میں جناب غلام اسحاق خان صاحب کے اس خیال

سے متفق ہوں کہ کئی مسلمان ملک ایسے ہیں جو امتِ مسلمہ کے اتحاد کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ ہجری صدی سب کی ہے اور اس کی تقریبات عالمِ اسلام کی مجموعی کوششوں کا حصہ ہیں اور میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں کہ اگر آپ ان تقریبات پر نظر ڈالیں تو یہ پبلسٹی کا ذریعہ بھی ہیں۔ ہمیں کیا کرنا ہے یا ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ میں ابھی تھوڑی دیر پہلے بروہی صاحب سے کہہ رہا تھا کہ اللہ کے فضل وکرم سے آج یہاں ایسے ایسے چیدہ چیدہ لوگ جمع ہیں کہ رشک آتا ہے۔ ہمیں ان کے خیالات سے مستفید بھی ہونا چاہیئے۔ آج نومبر کی ۵ تاریخ ہے۔ ہم نے اپنی کمیٹی کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہجری صدی کی تقریبات عالمِ اسلام کے باقی ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی یکم محرم کو شروع ہوں گی۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف پاکستان میں چاند نظر آتے تب تقریبات شروع ہوں۔ ہمیں اس پر بحث کرنی چاہیئے اور اگر اس وقت یہاں چند علماء موجود ہیں تو میں ان کو بھی قائل کرنے کی کوشش کروں گا، لیکن فیصلہ ہم نے یہ کیا ہے کہ محرم کی پہلی تاریخ اسی دن ہو گی جس دن مسلمان ملکوں کی اکثریت کے ہاں محرم کی پہلی تاریخ ہو۔ اس تاریخ کا تعین کسی ملک میں چاند دیکھ کر کیا گیا ہے یا ۱۲ گھنٹے کا فرق ہے یا ۲۴ گھنٹے کا فرق ہے، اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ چنانچہ ہم نے کہا کہ ہمیں سعودی کیلنڈر کے مطابق چلنا چاہیئے۔ سعودی کیلنڈر ہجرہ کیلنڈر ہے اور اس کے مطابق ہی ہم نے ۲۲ نومبر کا تعین کیا ہے۔

چنانچہ میرا خیال ہے کہ ایک چھوٹی سی کمیٹی بنا دی جائے اور یہ کمیٹی مسٹر گھانگرو GANGRO مقرر کریں جس کے ذمے یہ کام ہو کہ وہ مجھے ایک ہفتے کے اندر اندر بتائے کہ ہم کس طریقے سے اعلان کریں اور ہجرہ صدی تقریبات کا افتتاحی پروگرام کیا ہو۔ ہم اسے آنے والی صدی کا خیر مقدم قرار دیں یا جانے والی صدی کے الوداع سے اسے موسوم کریں۔ عرب دنیا میں تو تقریب منانا بدعت ہے، لیکن میں اسے نہیں مانتا۔ ہمارے خیال کے مطابق تقریب تو بہر حال تقریب ہوتی ہے۔ ہمیں اس نقطۂ نظر سے تقریبات منانی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ مختلف معاملات

پر مختلف نقطہ نظر ہیں۔

لہٰذا پہلا کام سلیکٹ کمیٹی کا ہے جو مسٹر گھانگرو GANGRO آج یہاں موجود حضرات میں سے مقرر کریں گے اور میں درخواست کروں گا آپ میں سے کچھ حضرات رضا کارانہ طور پر اس کمیٹی میں شمولیت کے لئے آگے آئیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی اور کمیٹیاں ہیں اور اس مہینے کی ۱۲ ر تاریخ تک سلیکٹ کمیٹی کی سفارشات مل جانی چاہئیں کہ ہم پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کی تقریبات کس طرح منائیں۔ حقیقتاً یہ پندرھویں صدی کا آغاز نہیں ہے یہ آغاز ہونے والا ہے اور ابھی اس میں ایک سال ہے۔

میری ایک چھوٹی سی کمیٹی ہے جسے میں رہنما کمیٹی کہتا ہوں۔ میں اس کمیٹی کا اجلاس اس مہینے کی ۱۲ تاریخ کو بلاؤں گا اور اس کے بعد ہم قطعی فیصلہ کریں گے کہ ہجری سال ۱۴۰۰ھ کا آغاز ہم کس طرح کریں۔ یہ نکتہ نمبر ا ہے۔

نکتہ نمبر دو یہ ہے کہ پروگرام میں بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ یونیورسٹیوں کے پروگرام کی ہم نے مجموعی منظوری دی تھی۔ کمیٹیوں کے اجلاس میں اس کا تذکرہ نہیں آیا لیکن بحیثیت مجموعی ہم نے اسے منظور کر لیا تھا کیونکہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن نے جو پروگرام تیار کر کے دیا ہے وہ بہت اچھا ہے اور اس پروگرام پر عمل ہونا چاہیئے کیونکہ وائس چانسلروں نے اپنی کمیٹی میں اس کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ میں دو تین اور سلیکٹ کمیٹیاں قائم کرنا چاہتا ہوں جن کا اعلان عنقریب مسٹر گھانگرو GANGRO کریں گے۔ مہربانی کر کے ان میں سے کسی ایک کمیٹی کے لئے اپنا نام خود رضا کارانہ طور سے پیش کیجیے۔ اس کام میں ایک مہینہ بھی لگ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ہم اسی جگہ، اسی عمارت میں ایک بار پھر جمع ہوں گے اور سلیکٹ کمیٹیوں کی سفارشات پر غور کریں گے اور اس کے بعد ۲۴ ماہ کے پروگرام کی منظوری دیں گے۔ فیصلہ اس کے مطابق ہونا ہے جو زماں صاحب نے کہا یا اشفاق صاحب نے کہا یا جو بیگم شائستہ اکرام اللہ صاحبہ نے کہا یا

مصطفیٰ احسین صاحب نے کہا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ اتفاق رائے کے ساتھ ہوگا، لیکن ہمیں ایک بار پھر اس بات پر غور کر لینا چاہیئے کہ ہم چاہتے کیا ہیں؟ یقیناً ہمارا مقصد پبلسٹی نہیں ہے، لیکن ہم کچھ پبلسٹی ضرور چاہتے ہیں، ہم عملی اقدامات چاہتے ہیں۔ ہاں اس میں سے ایک مسئلہ غربت کا ہو سکتا ہے، لیکن جب تک انسان جو ہے وہ انسان رہتا ہے، اس وقت تک آپ غربت کا خاتمہ کیسے کر سکتے ہیں؟ ورنہ قرآن میں "فقراء" "غرباء" "رؤساء" کا ذکر نہ کیا جاتا۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں اس بات سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمارے پاس پیسہ نہیں ہے۔ پیسہ ہمارے پاس ہے۔ میں فنڈز کسی ایک مد میں سے دوسری مد میں منتقل کر سکتا ہوں اور یہ مجھ پر منحصر ہے کہ میں کتنا خرچ کرتا ہوں اور کتنا خرچ نہیں کرتا۔ مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ اگر ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں تو اونچی اونچی منزلیں، عمارتیں بنانے کی اور دوسری چیزیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر دادا بھائی ایک بلڈنگ بنا سکتے ہیں اور اگر کراچی میں دو بڑی بڑی ملٹی اسٹوری بلڈنگیں بن سکتی ہیں تو کیوں نہ بنیں؟ اگر ہم چاہتے ہیں کہ بلڈنگ بنے تو پیسے کی اس ملک میں کمی نہیں ہے، اس کا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ ہم مناسب چیزوں پر پیسہ خرچ کرنا چاہتے ہوں۔ لہٰذا ہمیں اس بات سے نہیں ڈرنا چاہیئے کہ مالی وسائل کم ہیں یا یہ کہ پیسہ ملے گا یا نہیں۔ اگر کسی چیز کے بارے میں فیصلہ ہو جاتا ہے تو اس کے لئے پیسہ مل جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں خیال رکھنا چاہیئے کہ فضول خرچی نہ ہو کیونکہ یہ اسلام کے منافی ہے۔

میں آخر میں یہ کہوں گا کہ اس چیز کو ختم کرنے سے پہلے ہمیں اسلام کے ایک پہلو کے بارے میں ٹھیک طرح سے سوچنا چاہیئے۔ اسلام کہتا ہے کہ اس چیز پر آپ کو یقین نہیں کرنا چاہیئے اور اس چیز پر آپ کو عمل کرنا چاہیئے، لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام کہتا ہے کہ جس چیز پر آپ کو عمل کرنا ہو اس پر کسی خوف و خطر کے بغیر عمل کیجئے۔ اگر آپ کو نماز پڑھنی ہے تو یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ

"میں نماز پڑھنے جا رہا ہوں"، کیونکہ رشتہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو، والدین کے درمیان، باپ اور بیٹے کے درمیان، شوہر اور بیوی کے درمیان جیسا بھی قریبی رشتہ ہو آپ چاہتے ہیں کہ اس کا اظہار ہو۔ آپ کی بیوی آپ سے طلاق پر آمادہ ہو جائے گی اگر آپ اس سے پیار کے چند بول نہیں کہیں گے۔ آپ اپنے بیٹے کے سر پر ہاتھ نہیں پھیریں گے تو بیٹا آپ سے باغی ہو جائے گا لہٰذا محبت اور شفقت کا کچھ اظہار، کچھ وکالت، کچھ پبلسٹی اس کی ہونی چاہیئے۔ ہمیں یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ بھوک صرف اس وقت ختم ہوگی جب لوگوں کو روٹی، کپڑا اور مکان مل جائے گا۔ آپ کو کہنا بھی پڑے گا کہ روٹی، کپڑا اور مکان۔ آپ روٹی، کپڑا اور مکان دیتے بھی ہیں یا نہیں یہ الگ قصہ ہے لیکن پچھلے سات سال تک لوگ اس پہلو کی طرف گئے ہیں، روٹی کپڑے اور مکان کے پیچھے گئے ہیں اور انہیں ان میں سے ایک بھی نہیں ملا۔ لہٰذا میں یہ کہوں گا کہ ہمیں اس سلسلے میں زیادہ فلسفیانہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بہت زیادہ حقیقت پسند بھی نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ہر چیز میں کچھ جذباتی پہلو شامل ہوتے ہیں۔ اسلام صرف متحرک نہیں ہے بلکہ جذباتی بھی ہے۔ اسلام کہتا ہے تمہیں تبلیغ کرنی چاہیئے کہ جیسا تم عمل کرتے ہو ویسی ہی تبلیغ کرنی چاہیئے اور بعض اوقات آپ کو محض تبلیغ کی خاطر تبلیغ کرنی ہوتی ہے۔ تبلیغ کریں کیونکہ یہ بھی "دعوۃ" کا ایک حصہ ہے اور اس کے بغیر آپ باقی نہیں رہ سکتے۔

بدقسمتی سے ہم سب یا شاید کچھ اس سے مستثنیٰ ہوں، ہم سب مغربی تعلیم کے پروردہ ہیں اور مغربی تعلیم نے ہمیں کیا بتایا ہے؟ عام جگہوں پر مذہب کے بارے میں بحث نہ کریں۔ جب میں کمیشن کے لئے گیا تھا تو مجھے یہی پڑھایا گیا تھا۔ مجھے یہ پڑھایا گیا تھا کہ میرا مذہب میرے اور میرے خدا کے درمیان ہے۔ آج فضل حق آپ کو یہی بتائیں گے، ضیاء الحق سے آج آپ یہ سنیں گے، لیکن حقیقتاً ایسا ہے نہیں۔ جس چیز سے مجھے سروکار ہے اس سے آپ کو بھی سروکار ہے۔ لہٰذا اگر ہم ایک ایسے ملک میں ہیں جو اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے نام سے معروف ہے تو ہمارے لئے

بہتر یہی ہے کہ ہم بھی اسلامی ہوں، چاہے ہم پسند کریں یا نہ کریں۔ اگر ہمیں ہجری میلے کرنے ہیں تو ضرور کریں کیونکہ یہ طریقہ نہ صرف پندرھویں صدی کے آغاز کی تقریبات منانے کا ہے بلکہ اس کا ایک پہلو یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ میں جذباتی نہیں ہورہا ہوں جس طرح یہ آواز اشفاق صاحب کے دل سے نکلی تھی اسی طرح یہ میرے دل کی آواز ہے۔ جب تک ہم اس ملک کے ساڑھے سات کروڑ عوام کو ساتھ نہیں ملائیں گے یا ملک کی نوّے فی صد آبادی کو ساتھ لے کر نہیں چلیں گے، اس وقت تک ہم جو چند لوگ ہیں کیا کر سکیں گے۔ ہم خود کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں، اگر ہم اسلام پر ایمان نہیں رکھتے تو ہم سب سے زیادہ ان پڑھ ہیں۔ لہٰذا اس کے کئی پہلو ہیں۔ لہٰذا نہ تو ہمیں اس بارے میں انتہائی فلسفیانہ ہونا چاہیئے نہ انتہا سے زیادہ حقیقت پسند بننا چاہیئے کیونکہ اگر سارے کام حقیقت پسندی کے ساتھ ہی ہو سکتے ہوں تو آج ہم یہاں نہ بیٹھے ہوتے، نہ اسلام کو ہجرت کے بعد پندرھویں صدی شروع ہوتی۔ لہٰذا بعض معاملات میں زمین پر پیر لگا کر غور کیجئے اور بعض معاملات پر فلسفیانہ موشگافیاں کیجئے کیونکہ اگر اسلام اس براعظم میں نہ پہنچتا، کشف المحجوب نہ لکھی جاتی اور حضرت داتا گنج بخش ٹیلے پر آکر نہ بیٹھتے اور نہ یہ کہتے کہ تصوف بھی ایک چیز ہے تو ہم آج اس جگہ بیٹھے ہوئے اس وقت باتیں نہ کر رہے ہوتے۔ لہٰذا آپ جانتے ہیں کہ اس کے کئی پہلو ہیں۔ آپ ایک لکیر کھینچ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں صرف اس کی وجہ سے منزل تک پہنچ جاؤں گا۔ بعض اوقات آپ خوش قسمت ہوتے ہیں، آپ پل پار کر جاتے ہیں، بعض اوقات آپ ڈوب جاتے ہیں اور کبھی آپ کی زندگی میں دل گداز لمحے آتے ہیں۔ لہٰذا میں یہاں ختم کرتا ہوں۔

مسدّس حالی: بیگم شائستہ میں دیانت داری سے کہتا ہوں، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آج بھی مجھے یاد ہے کہ جب میں بچہ تھا تو اپنے والد صاحب کو مسدس حالی پڑھتے ہوئے اور گاتے ہوئے دیکھتا تھا وہ اپنے آپ میں گم مسدسِ حالی پڑھتے۔ میں اس وقت چھ سال کا بچہ تھا پھر وہ ہم سب کو اپنے پاس بٹھا لیتے اور مسدّسِ حالی سناتے تو ہم سوچتے کہ یہ ایسا کیوں کر رہے ہیں، انہیں

کیا ہو گیا ہے؟ آج مجھے یاد آتا ہے۔ پندرہ سال پہلے، تیس سال پہلے، جب کبھی بھی میں ماضی میں دیکھتا ہوں تو مجھے یہ یاد آتا ہے۔ لہٰذا مسدّس کا بھی ایک مقام ہے۔ میں آپ سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں کہ ہمیں مسدسِ حالی کی زیادہ سے زیادہ کاپیاں شائع کرنی چاہئیں، بلکہ میں مجیب صاحب سے کہوں گا کہ ہمارے ہاں کلام اقبال گایا جاتا ہے، دوسرے شعراء کا کلام گایا جاتا ہے تو بعض مواقع پر مسدّسِ حالی کیوں نہیں؟

میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ آپ آیئے، پہلے افتتاحی کمیٹی کا تقرر کر دیں۔ میرے خیال میں اجلاس تھوڑی دیر کے لئے ختم کر دیا جائے تاکہ لوگ ایک دوسرے سے مشورہ کے بعد کمیٹی کے لئے نام پیش کر سکیں۔

پہلی کمیٹی جو سلیکٹ کمیٹی ہوگی وہ آٹھ دس خواتین و حضرات پر مشتمل ہوگی اور اس مہینے کی ۲۱ تاریخ تک اس بارے میں رپورٹ پیش کرے گی کہ پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات کا آغاز کس طرح کیا جائے۔ اس کے بعد کچھ دوسری کمیٹیاں بنائی جائیں گی جن کے بارے میں مسٹر گھانگرو نے تجویز پیش کی ہے۔ حضرات نام پیش کیجئے۔ اچھا آپ کے پاس تو نام پہلے ہی پہنچ چکے ہیں، وہ آپ سے پوچھیں گے اور آپ اس کی منظوری دیں گے کہ کس کمیٹی کو رکھا جائے۔ ہماری ایک بہت اچھی کمیٹی وائس چانسلروں کی ہے۔ اسے تو بہرحال برقرار رکھنا چاہیئے۔ یہ یونیورسٹیوں، تعلیمی ماہروں اور طالب علموں کی اسٹینڈنگ کمیٹی ہے، یہ کمیٹی جس طرح اس وقت ہے اسی طرح قائم رہے گی اور وہ پروگرام بھی جو اس نے تیار کیا ہے۔ اگر آپ کوئی مشورہ دینا چاہیں تو اس کمیٹی کو پہنچا دیں۔

آپ کی اس اجلاس میں شرکت پر میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے میں نے جو چند باتیں کہی ہیں ان پر آپ غور فرمائیں گے۔ امید ہے کہ اس مہینے کی ۲۱ تاریخ تک پندرھویں صدی کی تقریبات کا پروگرام تشکیل پا جائے گا اور چھ، سات یا دس دسمبر تک آئندہ

۲۴ ماہ کے پورے پروگرام کو قطعی شکل دے دی جائے گی، اور ان بہترین خیالات اور تجاویز کو جو یہاں پیش کئے گئے یا اس دوران پیش کئے جائیں گے، انہیں پیش نظر رکھا جائے گا۔ خرچ اخراجات کے بارے میں ذرا کفایت کا خیال رکھیں، لیکن بہت زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

نیول ڈاک یارڈ کراچی میں بحریہ کے افسروں اور سیلرز سے خطاب

۱۱ نومبر ۱۹۷۹ء

۱۱ نومبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے کراچی میں پاک بحریہ کی نئی آبدوز پی این ایس "حشمت" کی لانچنگ کی تقریبات کے موقع پر نیول ڈاک یارڈ کراچی میں بحریہ کے افسروں اور سیلرز سے خطاب کیا اور بیڑے کا معائنہ کیا۔

صدرِ مملکت آبدوز "حشمت" پر گئے اور اس کے افسروں اور عملے سے ملاقات کی۔ پاکستان نیوی کے چیف آف اسٹاف وائس ایڈمرل کرامت رحمان نیازی، گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی، پاک فلیٹ کے کمانڈر اور ریئر ایڈمرل آئی ایف قادر ان کے ہمراہ تھے۔ بحریہ کے دو سابق سربراہ ایڈمرل (ریٹائرڈ) ایچ ایم ایس چودھری اور ایڈمرل (ریٹائرڈ) محمد شریف بھی موجود تھے۔

نیول ڈاک یارڈ پہنچنے پر صدرِ مملکت کو ۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی اور بحریہ کے ایک چاق و چوبند دستے نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔

بعد میں صدر نے فلیٹ کے معائنے کے لئے صدارتی بجرے پر ۲۵ منٹ تک کروز کیا۔ چار گن بوٹس صدارتی بجرے کے آگے آگے چل رہی تھیں۔ کروز کے آخر میں صدارتی بجرا نئی آبدوز "حشمت" تک پہنچا۔

صدرِ مملکت نے اپنے خطاب میں ملک کے دفاعی نظام میں پاک بحریہ کی اہمیّت، اس کی قوت و صلاحیت اور بحریہ کو جدید اسلحہ اور سامان سے لیس کرنے کے لئے حکومت کی کوششوں کا ذکر کیا۔ صدر نے افسروں اور سیلروں سے کہا کہ وہ جنگی ساز و سامان اور پیشہ درانہ مہارت کو ہمیشہ ایک اعلیٰ مقصد کے تابع سمجھیں اور وہ مقصد نظریۂ اسلام کا دفاع ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

گورنر سندھ، جنرل ایس۔ایم عباسی،
چیف آف نیول اسٹاف، وائس ایڈمرل کرامت رحمان نیازی،
کمانڈر فلیٹ، ریئر ایڈمرل، آئی ایف قادر،
آفیسرز اور سیلرز!

السّلام علیکم۔ میں اس سال ۳ فروری کو یہاں آیا تھا اور کچھ وقت نیوی کے افسروں اور سیلروں کے ساتھ گزارا تھا۔ اس کی یاد ابھی تک میرے دل و دماغ میں تازہ ہے۔ آج پھر یہاں آکر مجھے دلی خوشی ہوئی ہے۔ گزشتہ تقریب کی وجہ "گیرنگ" قسم کے دو تباہ کن جہاز تھے جو امریکہ میں تجدید سامان RENOVATION کے بعد پاک بحریہ میں شامل کئے گئے تھے۔ آج میرے دورے کا بڑا سبب آبدوز "حشمت" ہے جو حال ہی میں ہمارے نیول فلیٹ میں شامل ہوئی ہے۔ ان "تباہ کن جہازوں" اور "آبدوز" کی آمد اس عمل کا ایک حصّہ ہے جو پاکستان نیوی کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے شروع کیا گیا ہے۔ مجھے

اُمید ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس عمل کو نہ صرف جاری رکھا جائے گا بلکہ اس کو زیادہ تیز اور مؤثر بھی بنایا جائے گا۔

پاک بحریہ ملک کے دفاعی نظام میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی قوت اور صلاحیت پر ہمارے بحری دفاع کا انحصار ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے ہمارا ملک ایک ایسے قطعۂ زمین پر محیط ہے جس کے انتہائی شمال میں پہاڑ اور انتہائی جنوب میں سمندر واقع ہے اور جو درمیان میں شمالاً جنوباً طویل مشرقی سرحد کے میدانوں اور وسیع ریگستانوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان کے دفاع کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پہاڑوں، میدانوں، ریگستانوں اور سمندروں پر لڑنے اور اپنے وطن عزیز کی ایک ایک اِنچ کی حفاظت کرنے کی صلاحیت کو بہتر بنائیں۔ بحری حصوں اور ساحلی علاقوں کے تحفظ میں بحری جہاز خاص طور پر آبدوزیں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اس میدان میں پاکستان بحریہ کی دفاعی قوّت پہلے سے بہتر ہو رہی ہے۔

میں اس موقع پر یہ واضح کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم کسی کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم امن کے علمبردار ہیں۔ ہم اپنے پڑوسی اور دوسرے تمام ممالک سے دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں، لیکن اس عمل کے ساتھ ہم اپنی دفاعی ذمہ داریاں نہیں بھول سکتے پاکستان نیوی کو جدید خطوط پر منظم کرنے اور مؤثر بنانے کا مطلب صرف اپنی دفاعی صلاحیت کو بہتر بنانا ہے تاکہ ہم اپنی عزت وناموس اور جان ومال کی حفاظت کرسکیں کیوں کہ اپنی دفاعی ضروریات کو نظر انداز کرنا آن اور ناموس کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے مترادف ہے جسے کوئی بھی آزاد اور خود مختار ملک گوارا نہیں کرسکتا۔ پاکستان کو اپنے ماضی کے تجربوں کی وجہ سے پہلے سے زیادہ محتاط اور تیّار رہنا پڑتا ہے تاکہ ہر قسم کی جارحیّت کا مؤثر طور پر سدّباب کرسکے۔

ہماری بحریہ پر زمانۂ امن اور جنگ میں بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ایک طرف طویل ساحلِ سمندر ہے۔جس کا دفاع بحریہ کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ساحلِ سمندر سے ملحقہ دو سو میل تک کا سمندری علاقہ خاص پاکستان کا اقتصادی زون یا خطّہ کہلاتا ہے جس کا مجموعی رقبہ ایک لاکھ مربع میل کے قریب ہے۔اس وسیع علاقے کی نگہبانی بھی پاک بحریہ کے سپرد ہے اس کے علاوہ پاکستان کے برادر اور ہمسایہ مسلم ممالک کے بحری راستے بھی یہیں سے گزرتے ہیں جنہیں خطروں سے پاک اور قابلِ استعمال رکھنا اشد ضروری ہے۔

علاوہ ازیں پاک بحریہ بجا طور پر اس بات پر فخر کر سکتی ہے کہ جن بحری علاقوں اور سمندری راستوں کا دفاع آج اس کے سپرد ہے، انہی راستوں کے ذریعے ساتویں صدی ہجری میں اسلام کا پیغام مؤثر طور پر پہلی مرتبہ اس خطۂ زمین تک پہنچا تھا۔اگر ہم صوبہ سندھ کے دارالحکومت کو باب الاسلام کہتے ہیں تو یقیناً ہم پاک بحریہ کو محافظ "باب الاسلام" کا لقب بھی دے سکتے ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ پاکستان نیوی نہ صرف اپنی ان تاریخی اور جغرافیائی ذمہ داریوں سے آگاہ ہے بلکہ انہیں پورا کرنے کی قابلِ اعتماد استعداد بھی رکھتی ہے۔اس نے زمانۂ امن اور زمانۂ جنگ میں قابلِ تحسین خدمات انجام دی ہیں اور اہلِ وطن کے اعتماد پر ہمیشہ پوری اتری ہے۔مجھے یقین ہے کہ یہ آئندہ بھی ملک و قوم کی توقعات پر پورا اترنے کے لئے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش جاری رکھے گی۔

میں جب بھی کسی دفاعی سروس کے افسروں اور جوانوں سے خطاب کرتا ہوں تو عموماً تین باتوں پر زور دیتا ہوں۔ایک یہ کہ پاکستان کے کسی فرد خاص طور پر مسلح افواج کے کسی رکن کا لمحے بھر کے لئے بھی نظریۂ پاکستان پر اعتماد متزلزل نہیں ہونا چاہیئے، دوسرا ہر

دفاعی سروس کے پاس اعلیٰ قسم کا جنگی سازوسامان ہونا چاہیئے اور تیسرا یہ کہ ہر فرد کو خواہ وہ افسر ہو یا جوان، اپنی پیشہ ورانہ صلاحیت کو بہتر بنانے کے لئے ٹریننگ پر توجہ دینی چاہیئے۔ تسلی بخش اور جدید سازوسامان مہیا کرنا حکومت کا کام ہے جس سے وہ کبھی تساہل نہیں برتے گی، لیکن دوسرے دونوں کام یعنی نظریۂ اسلام سے وابستگی اور پیشہ ورانہ صلاحیت کو بہتر بنانے کے لئے ٹریننگ آپ اور صرف آپ کا کام ہے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ جہاں آپ حکومت سے بہتر سازوسامان کی اُمید رکھتے ہیں وہاں آپ اپنے فرائض بھی پوری تندہی سے انجام دینے کی کوشش کریں گے۔

میں اس موقع پر آپ کو یہی تاکید کروں گا کہ جنگی سازوسامان اور پیشہ ورانہ مہارت کو ہمیشہ ایک اعلیٰ ترین مقصد کے تابع سمجھیں اور وہ مقصد نظریۂ اسلام کا دفاع ہے۔ پاکستان کی جغرافیائی سرحدیں خواہ بحیرۂ عرب کے ساحلی علاقے تک پھیلی ہوں یا شمالی علاقوں کے فلک بوس پہاڑوں تک، افواجِ پاکستان کا مقصد ان کا دفاع کرنا ہے۔ انہیں کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ یہ خطۂ ارضی ہمارے لئے مادی لحاظ سے ہی اہم نہیں بلکہ یہ نظریاتی طور پر بھی زندگی اور موت کا سوال ہے کیونکہ اگر ہم خدانخواستہ نظریۂ اسلام پر کاربند نہ رہے یا بیرونی جارحیت کے خلاف اس کا مؤثر طور پر دفاع نہ کر سکے تو ہم صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کی سربلندی کے لئے کسی اور قوم کو منتخب کرلے گا۔

مجھے یقین ہے کہ پاکستان نیوی جس میں باعمل مسلمانوں اور سچے پاکستانیوں کی کوئی کمی نہیں، یقیناً نظریۂ پاکستان کے تحفظ کے لئے اعلیٰ خدمات انجام دے گی اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیت کو بہتر بنانے کی متواتر کوششیں کرتی رہے گی۔

آخر میں، میں پاک بحریہ کے سربراہ ایڈمرل نیازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے کل رات PN کارساز میں جس خلوص دل اور مہمان نوازی سے مجھے نوازا اور آج مجھے یہاں آنے، ڈاک یارڈ دیکھنے اور آپ سے مخاطب ہونے کا جو موقع فراہم کیا، یہ میرے لئے باعث فخر اور عزت ہے۔ میری دعائیں اور نیک تمنائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ کامیاب و کامران فرمائے۔ آمین۔

پاکستان نیوی زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

بچوں کی نشوونما سے متعلق سہ روزہ قومی کانفرنس سے افتتاحی خطاب

۱۲ نومبر، ۱۹۷۹ء

۱۲ نومبر ۱۹۷۹ء کو اسلام آباد میں صدرِ مملکت، جنرل محمد ضیاء الحق نے بچوں کی نشوونما سے متعلق ایک سہ روزہ قومی کانفرنس کا افتتاح کیا۔ یہ کانفرنس بچوں کے بین الاقوامی سال کے سلسلے میں منعقد ہوئی تھی۔

صدر کی تقریر سے پہلے وفاقی سیکرٹری وزارتِ صحت و سماجی بہبود لیفٹیننٹ جنرل سی۔کے حسن نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور پاکستان میں بچوں کی بہبود سے متعلق سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ کلیدی مقالہ ہلال احمر سوسائٹی، پنجاب کی صدر، بیگم مسعود صادق نے پیش کیا۔ کانفرنس کا اختتامی اجلاس ۱۴ نومبر کو ہوا جس کی صدارت فروغ بیاحت کارپوریشن کی سربراہ بیگم وقار النساء نون نے کی۔

افتتاحی اجلاس میں اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل، ڈاکٹر کرٹ والڈ ہائیم کا ایک پیغام بھی پڑھ کر سنایا گیا۔ ڈاکٹر والڈ ہائیم نے کانفرنس کو بروقت قرار دیتے ہوئے امید ظاہر کی کہ اس کانفرنس سے بچوں کی نشوونما سے متعلق مختصر اور طویل مدّت کے پروگراموں کی تشکیل میں مدد ملے گی۔

صدر مملکت نے اپنی افتتاحی تقریر میں ملک کی ۴۵ فی صد آبادی یعنی پندرہ سال سے کم عمر کے بچوں کے مسائل پر گہری توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ جس طرح ملکی ترقی کے لئے صنعتی اور زرعی پالیسیاں بنائی جاتی ہیں، اسی طرح بچوں کی بہبود کے لئے بھی مناسب منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ صدر نے اپنی تقریر میں بچوں کی بہبود کے منصوبے کی تیاری کے لئے رہنما اصول بھی دیئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

جنرل سی۔ کے۔ حسن،

اور

خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ ۱۹۷۹ء جو اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق "بچوں کا سال" قرار دیا گیا ہے ختم ہونے کے قریب ہے۔ "بچوں کے سال" کے دوران میں نے بچوں کی بہبود اور نشو و نما سے متعلق کئی تقاریب میں شرکت کی ہے جس سے مجھے ہمیشہ دلی سکون اور مسرت حاصل ہوئی ہے۔ آج بھی بچوں سے متعلق اس کانفرنس میں شرکت میرے لئے باعث خوشی ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ ان کانفرنسوں کے نتیجے میں ہم عام بچوں اور خاص طور پر معذور بچوں کی حالت کو بہتر بنا سکیں۔

اقوام متحدہ نے ۱۹۷۹ء کو "بچوں کا سال" قرار دے کر ایک اہم انسانی خدمت انجام دی ہے۔ اس سال کو منانے کے لئے گزشتہ دس گیارہ مہینوں میں مختلف شہروں

میں جو تقریبات منعقد کی گئی ہیں ان سے یقیناً بچوں کے مسائل واضح طور پر سامنے آئے ہیں اور انہیں حل کرنے کی ضرورت کا احساس بھی بڑھا ہے۔ اس ضمن میں وزارتِ صحت و سماجی بہبود اور دوسرے اداروں نے جو کام کیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ اس کام کی کچھ جھلکیاں جنرل سی۔ کے جین کی استقبالیہ تقریر میں ملتی ہیں اور کچھ کا اندازہ بیگم مسعود صادق کے مقالہ سے ہوتا ہے۔ اس کارِ خیر میں جو بھی خواتین و حضرات اور سرکاری یا نجی ادارے مصروف ہیں، میں ان کی قومی خدمات کا اعتراف کرتا ہوں اور انہیں مبارک باد دیتا ہوں۔

اس داد و تحسین کے ساتھ ساتھ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حالات پر ایک حقیقت پسندانہ نظر ڈالی جائے اور اندازہ کیا جائے کہ بچوں سے متعلق مسائل کیا ہیں، ان کی وسعت اور شدّت کیا ہے اور انہیں حل کرنے میں ابھی تک کتنی کامیابی ہوئی ہے اور کتنا کام کرنا باقی ہے۔

ہماری کل آبادی کا تقریباً ۴۵ فی صد حصہ پندرہ سال سے کم عمر کے بچوں پر مشتمل ہے۔ گویا ساڑھے سات کروڑ آبادی میں سے کوئی ساڑھے تین کروڑ افراد کی عمر ۱۵ سال سے کم ہے۔ ان میں سے ۱۵ لاکھ کے قریب ایسے بچے ہیں جو جسمانی یا ذہنی لحاظ سے معذور ہیں۔ اس کے علاوہ ہر سال ایک سو بچوں میں سے تقریباً دس بچے پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں اور جو بچے زندہ رہ جاتے ہیں ان کی بھاری اکثریت بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم رہتی ہے۔

اگرچہ ہمارے ہاں سماجی بہبود کے چھوٹے موٹے اداروں کی کل تعداد ۲۸۰۰ بتائی جاتی ہے لیکن ان میں سے بمشکل ۵۰۰ ادارے ایسے ہیں جو واقعی بچوں کے لئے کوئی تربیتی پروگرام، سروسز یا سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔ اس طرح حساب لگایا جائے تو بچوں کی

تعداد کا بمشکل ۵ فیصد حصّہ ہے جسے سماجی بہبود کی سہولتیں میسّر آتی ہیں اور باقی ۹۵ فی صد بچے اپنے اپنے حالات پر قناعت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

"بچوں کے عالمی سال" میں اگر ہم معاشرے میں یہ احساس پیدا کر دیں کہ ہمارے ہاں بچوں کی بڑی تعداد بنیادی ضرورتوں اور سماجی سہولتوں سے محروم ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ایک کامیابی ہوگی کیونکہ ایک دفعہ احساس پیدا ہو گیا تو عمل کی صورت خود بخود نکل آئے گی۔ اس وسیع کارِ خیر سے نمٹنے کی ابتدا یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ آج ہم عہد کریں کہ ہم بچوں کا عالمی سال ختم ہوتے ہی بچوں کی بہبود سے متعلق سرگرمیوں کو ٹھنڈا نہیں پڑنے دیں گے بلکہ اس کام کو اپنی روزمرہ زندگی کا ایک حصہ بنا کر اس کے لئے مستقل طور پر تگ و دو کریں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح ملکی ترقی کے لئے ہم صنعتی اور زرعی پالیسیاں بناتے ہیں، اسی طرح بچوں کی بہبود کے لئے بھی مناسب منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اسے قومی منصوبہ بندی کے ایک حصے کے طور پر اپنا کر اس پر پوری سنجیدگی سے عمل کیا جا سکے۔ یہ منصوبہ تیار کرنے کی ذمہ داری میں وزارتِ صحت و سماجی بہبود کو سونپتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ وہ ڈاکٹروں، نفسیاتی معالجوں، بچوں کے ماہروں، استادوں اور سماجی کارکنوں کے تجربات کی روشنی میں ایک ایسا حقیقت پسندانہ منصوبہ تیار کرے گی جو صحیح معنوں میں بچوں کی بہبود کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ اس منصوبے کے دو حصے ہو سکتے ہیں۔ ایک حصہ جسمانی اور ذہنی لحاظ سے معذور بچوں کی فلاح و بہبود سے متعلق ہونا چاہیئے اور دوسرے حصے میں دیہات کے وسیع علاقوں اور شہروں کے غلیظ اور پسماندہ حصوں میں بسنے والے بچوں پر توجہ دینی چاہیئے۔

ہم عنقریب ۱۵ ویں صدی ہجری کے آغاز کی تقریبات شروع کرنے والے ہیں جس کے

لئے بہت سے پروگرام وضع کئے جا رہے ہیں جن میں سے ایک پروگرام تعلیم کو عام کرنے سے متعلق ہے۔ میرے خیال میں اس پروگرام کا ہدف غیر تعلیم یافتہ بالغ مرد اور عورتیں ہی نہیں بلکہ بچے بھی ہونے چاہئیں کیونکہ ان بچوں کی ایک بڑی تعداد تاحال بنیادی تعلیمی سہولتوں سے محروم ہے۔ پاکستان کے بعض دور افتادہ علاقوں میں جہاں پرائمری سکول کھولے بھی گئے ہیں، وہاں تعلیم کا شعور اتنا کم ہے کہ والدین بچوں سے ریوڑ چرانے، فصل کٹوانے یا مزدوری کرانے کو تعلیم پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان سکولوں میں جو اساتذہ مقرّر ہیں وہ بھی سکول میں بیٹھے بچوں کی راہ دیکھتے رہتے ہیں۔ ان علاقوں میں والدین اور اساتذہ میں یہ احساس پیدا کرنا ضروری ہے کہ تعلیم کی جو سہولتیں میسّر ہیں ان سے وہ اچھی طرح استفادہ کریں اور بچوں کے مستقبل کو بہتر بنائیں۔ اسی طرح جن علاقوں میں تعلیم کا احساس پیدا ہو چکا ہے لیکن وہاں تعلیمی سہولتیں ناکافی ہیں، وہاں مزید تعلیمی ادارے کھولے جائیں۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، یہ تعلیمی سہولتوں کو عام کرنے کے لئے پہلے ہی تمام وسائل بروئے کار لا رہی ہے۔

میں اس خیال کا اظہار کئی بار پہلے بھی کر چکا ہوں، لیکن آج خاص طور پر اس پر زور دینا چاہتا ہوں کہ تعلیمی سہولتوں کو ملک کے کونے کونے تک پہنچانا صرف حکومت کا کام نہیں، تمام اہلِ وطن کو اس میں ہاتھ بٹانا چاہیئے۔ اسی طرح عام بچوں کو سماجی بہبود کی دیگر سہولتیں مہیا کرنا اور معذور افراد کو سوسائٹی کا ذمہ دار رکن بنانا پورے معاشرے کا فرض ہے۔ جو معاشرہ آج اپنی ان ذمہ داریوں کو پورا نہیں کرتا وہ کل یقیناً اپنے آپ کو تہی دامن پائے گا۔

بچے معاشرہ کا عظیم سرمایہ ہوتے ہیں۔ ان کی صحیح نشو و نما اور تربیت کا مطلب دراصل معاشرے کے مستقبل کو بہتر بنا سکتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس قومی ضرورت سے چشم پوشی نہیں کی جائے گی۔

بچوں کی مشکل یہ ہے کہ وہ معاشرے کے دوسرے طبقوں کی طرح ایک پریشر گروپ

کے طور پر اپنے حقوق نہیں منوا سکتے۔ البتہ جب یہی بچے بڑے ہو کر طالب علم، صنعتکار، کاشتکار یا مزدور بنتے ہیں تو وہ اپنے حقوق منوانے کیلئے حکومت اور معاشرے کو مجبور کر سکتے ہیں، لیکن جب تک یہ زندگی کے ابتدائی سالوں میں ہوتے ہیں، وہ دوسروں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ ان کی حالت ان نازک پودوں کی طرح ہوتی ہے جنہیں زمانے کے گرم و سرد سے بچانا بڑوں کا کام ہوتا ہے، لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر اپنے فرائض کا احساس نہیں رکھتے۔ وہ بچوں کو ان کی حالت پر چھوڑ کر اپنے اپنے کام اور اپنی اپنی لگن میں مگن رہتے ہیں۔ نتیجتاً جو بچے معذور پیدا ہوتے ہیں وہ زندگی بھر معذور رہنے اور دوسروں پر انحصار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور جو غریب گھرانوں میں جنم لیتے ہیں، انہیں غربت کے شکنجے سے نکالنے کے لئے ہم کوئی اجتماعی کوشش نہیں کرتے حالانکہ ہونا یہ چاہیئے کہ جو بچہ معذور پیدا ہوا ہے یا بعد ازاں معذور ہو گیا ہے اس کا علاج معالجہ کر کے اس کو معاشرے کا صحت مند فرد بنایا جائے اور جو بچے غریب گھرانوں میں پیدا ہوتے ہیں ان کے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے انہیں زیادہ سے زیادہ سہولتیں دی جائیں۔ جب تک ہم اپنی ان ذمہ داریوں کا احساس نہیں کریں گے اور قومی پیمانے پر اسے ایک جہاد سمجھ کر کام نہیں کریں گے تب تک بچوں کا عالمی سال منانے کا کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

میں توقع رکھتا ہوں کہ بچوں کی نشوونما اور بہبود سے متعلق وزارتِ صحت و سماجی بہبود جو منصوبہ تیار کرے گی اس میں دیگر پہلوؤں کے علاوہ ان مقاصد کو بھی مدِنظر رکھے گی:۔

ا ۔ پیدا ہوتے ہی موت کی آغوش میں چلے جانے والے بچوں کی تعداد کو کم کرنا۔

ب ۔ صحت مند بچوں کو بہتر تعلیمی سہولتیں مہیا کرنا۔

ج ۔ معذور بچوں کے لئے ہسپتال اور رفاہی ادارے قائم کرنا۔

د ۔ بچوں کی تربیت اور بہبود کے لئے تربیت یافتہ عملے کی فراہمی۔

ڈ ۔ معذور بچوں کے علاج و معالجے کے لئے سازوسامان کی درآمد جس پر حال ہی میں ہر طرح

کی ڈیوٹی اور ٹیکس معاف کیا جا چکا ہے۔

د - بچوں کے موجودہ عالمی سال کے دوران جن سہولتوں کی ابتدا کی گئی ہے انہیں پھیلا کر زیادہ سے زیادہ بچوں تک پہنچانا۔

اس کے علاوہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک IMPLEMENTATION COMMITTEE بنانے کی ضرورت ہے جو بچوں کی نشو و نما اور بہبود سے متعلق تمام سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کام کر سکے۔ بچوں کے عالمی سال کے دوران کئی سیمینار، کانفرنسیں اور ورکشاپ منعقد ہو چکے ہیں جن میں موجودہ قومی کانفرنس ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تقریبوں میں جو مقالے پڑھے گئے، جو تجاویز پیش کی گئیں یا جو سفارشات مرتب کی گئیں، انہیں ایک لائحہ عمل کی شکل دے کر ان پر کام کیا جائے۔ میں سیکرٹری وزارتِ صحت و سماجی بہبود کی زیر صدارت ایک چار رکنی کمیٹی کی تشکیل کا اعلان کرتا ہوں۔ ممبروں کا جلد ہی انتخاب کیا جائے گا۔ اس کمیٹی کے ذمے یہ کام ہوگا کہ وہ بچوں کی نشو و نما اور فلاح و بہبود سے متعلق کارروائی سے مجھے باخبر رکھے گی۔

یہ تھے میرے موٹے موٹے خیالات ۔ جن کا اظہار میں اس موقع پر کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اُمید ہے کہ ماہرین کی توجہ اور کوششوں سے ـــــ جن کی ایک بڑی تعداد یہاں موجود ہے ـــــ بچوں کے مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی۔ میری دعا ہے کہ یہ سہ روزہ قومی کانفرنس جس نیک مقصد کے لئے منعقد کی گئی ہے وہ پورا ہو سکے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

شمالی علاقہ جات کے کونسلروں سے خطاب

۱۳ نومبر، ۱۹۷۹ء

۱۳ نومبر ۱۹۷۹ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے شمالی علاقہ جات کے کونسلر حضرات سے خطاب کیا۔ وہ اسماعیلی فرقے کے مذہبی پیشوا پرنس کریم آغا خان کے ساتھ شمالی علاقوں کے دورے پر پہنچے تھے۔ ہوائی اڈے پر صدر اور پرنس کریم آغا خان کا شاندار استقبال کیا گیا اور انہیں مقامی جانور "یاک" کا روایتی تحفہ پیش کیا گیا۔ اس موقع پر پورے شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔

پرنس کریم آغا خان اور ان کی بیگم صدر مملکت کی دعوت پر پاکستان آئے تھے اور شمالی علاقہ جات میں اپنے پیروکاروں سے ملنے گئے تھے۔ اس موقع پر صدر مملکت اور پرنس کریم آغا خان نے شمالی علاقہ جات کے پولو ٹورنامنٹ کا فائنل میچ بھی دیکھا۔

کونسلروں سے خطاب کے موقع پر شمالی علاقہ جات اور امور کشمیر کے وفاقی وزیر لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی، زون "ای" کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر میجر جنرل محمد اسلم شاہ اور دوسرے اعلیٰ سول اور فوجی حکام موجود تھے۔

شمالی علاقہ جات کے کمشنر نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور علاقہ کے حالات و مسائل پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے خاص طور سے ضلع گلگت کے دو علاقوں اشکمان اور گوپس میں افیون کے عادی افراد کی بحالی اور فلاح و بہبود کے مسئلہ کی طرف توجہ دلائی اور اس مقصد کے لئے خصوصی گرانٹ کی درخواست کی۔

صدر مملکت نے اپنی مختصر تقریر میں یقین دلایا کہ شمالی علاقہ جات کے مسائل پر حکومت خصوصی توجہ دیتی رہے گی۔ صدر نے علاقے کے لئے سڑکوں کی تعمیر، بجلی اور پینے کے صاف پانی کی فراہمی کے لئے چند منصوبوں کا تذکرہ بھی کیا۔ صدر نے کمشنر کی درخواست پر افیون کے عادی حضرات کی فلاح و بہبود کے لئے پانچ لاکھ روپے کی گرانٹ کا اعلان کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

جناب جنرل چشتی صاحب،

جنرل اسلم شاہ صاحب،

زیڈ۔ ای۔ نون۔ کمشنر ناردرن ایریاز اور

ناردرن ایریاز کے منتخب شدہ کونسلرز صاحبان!

السلامُ علیکم۔ مجھے آج گلگت میں آکر اور چند ایک چیزیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ میں جس چیز پر واقعی عزت اور فخر محسوس کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ مجھے یہاں کے منتخب شدہ کونسلرز حضرات سے ملنے کا موقع ملا ہے۔ میں واقعی اس موقع پر اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں، اور ساتھ ہی ساتھ آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ میرے مشاہدے کے مطابق شمالی علاقہ جات میں ترقی کی موجودہ رفتار اس وقت سے کہیں بہتر ہے جب میں اس سے قبل دورے پر یہاں آیا تھا اور میں آپ کے علاقہ جات کی ترقی کی رفتار پر اور جس طریقے سے آپ کونسلرز حضرات کا الیکشن ہوا ہے، مطمئن ہوں۔ آپ یہ سُن کر خوش

ہوں گے کہ شمالی علاقے جات پاکستان میں ایک مثالی قدم اٹھا رہے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کے بعد آپ کی جو ذمہ داریاں ہیں، ان کو بھی آپ اسی طرح مخلصانہ طریقے پر پورا کریں گے۔

کمشنر صاحب نے اپنے استقبالیہ کلمات میں چند ایک چیزوں کی طرف میری توجہ دلائی ہے۔ میں آپ کو اور ان کو یقین دلاتا ہوں کہ ان تمام چیزوں کی طرف ہماری توجہ پہلے سے ہی مرکوز ہے۔ آج اسلم شاہ صاحب نے میرے آنے پر دوبارہ ان چیزوں کی طرف توجہ دلائی ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے مسائل کی طرف ہماری خصوصی توجہ ہمیشہ رہے گی اور جہاں بھی اور جس طریقے پر بھی ہم آپ کی مدد کر سکتے ہیں، شمالی علاقہ جات کے لئے خاص طور پر ان اقدامات کا جن سے اس علاقہ کی ترقی کی رفتار میں اضافہ ہو سکے، ہم کریں گے۔

چند ایک اعلانات کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ میرے خیال میں ملک میں یا ملک کے اس حصے میں، خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں، دو چیزوں کی خاص ضرورت ہے اور تیسری اگر مل جائے تو پھر سونے پر سہاگہ ہے۔

ایک بجلی اور دوسری سڑکیں۔ ان دو چیزوں کی بڑی ضرورت ہے، اور پھر اگر صاف پینے کا پانی مہیّا ہو تو بڑی اچھی بات ہے۔ آپ کے پاس ماشاءاللہ پانی کی کوئی کمی نہیں ہے۔ دریا بہہ رہا ہے، یہاں چشمے ہیں، لیکن اس پانی کو صحیح معنوں میں استعمال کرنے کی ضرورت ہے اور جن دو چیزوں کی آپ کو ضرورت ہے وہ بجلی اور پانی ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عنقریب یہاں انشاءاللہ ایک دس میگاواٹ کا اسٹیشن قائم ہو گا جس سے بجلی کی کمی کی ضروریات پوری ہو جائیں گی۔ گلگت، اسکردو روڈ اور گلگت، گوپس روڈ جو دو سڑکیں ہیں ان کی طرف ہماری خصوصی توجہ ہے اور انشاءاللہ عنقریب مالی مشکلات

دور ہونے پر ان دونوں سڑکوں پر کام کی رفتار تیز کی جائے گی اور یا جو بھی منصوبہ ہے اسے جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی جائے گی ۔

اس کے علاوہ ان علاقہ جات میں تعلیم کی بہت ضرورت ہے۔ ابھی اسلم شاہ صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ گلگت میں ایک سکول بن رہا ہے ۔ بلڈنگ وہ بنا رہے ہیں، اس میں اگر کچھ رقم کی ضرورت پڑی تو وفاقی حکومت مہیا کرے گی ، لیکن عنقریب اس کے لئے ایک ہیڈ ماسٹر جو کہ فوج سے آئے گا، اس کی ذمہ داری میں نے اٹھالی ہے اور انشاء اللہ بہت جلد میں ہیڈ ماسٹر صاحب کو یہاں بھیجوں گا تاکہ گلگت شہر کے سویلین ، فوجی ، وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے ملازمین وغیرہ کے بچوں کی تعلیم کی کمی کو پورا کیا جا سکے ۔

کمشنر صاحب نے پانچ لاکھ روپے کی رقم مانگی ہے ۔ میں پانچ لاکھ روپیہ گوپس میں افیون کھانے والوں کے علاج معالجے کے لئے وفاقی حکومت کی طرف سے عطیّہ کے طور پر دیتا ہوں ۔

چونکہ اس دفعہ اقتصادی اقدام کی طرف بہت توجہ ہے اس لئے میں نے اسٹیبلشمنٹ کی ہر مد میں کچھ کمی کی ہے، لیکن جنرل صاحب کی خاص سفارش پر اور کمشنر صاحب کی طرف سے توجہ دلانے کی وجہ سے خصوصاً شمالی علاقہ جات کے محکمۂ صحت اور محکمۂ تعلیم کے بجٹ میں جو کمی کی گئی تھی اس کو بحال کیا جاتا ہے تاکہ آپ اپنے آدمی ان میں دوبارہ شامل کر سکیں ۔

مجھے امید ہے کہ آپ کی اور آپ کے یہاں کی انتظامیہ کی کوششوں سے یہاں کی معدنیات کو زیادہ ترقی دینے ، ان کو صحیح معنوں میں نکالنے ، ان کا استعمال کرنے اور ان کو فروخت کرنے کے لئے جو ادارہ کام کر رہا ہے وہ اس سے اور زیادہ بہتر کام کرے گا ۔

آپ نے پل کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ جنرل اسلم شاہ صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ فوج کا یہاں ایک پل ہے ۔ اگر اس کی کسی اور جگہ ضرورت نہ ہوئی تو اس کا استعمال کیا جا

سکتا ہے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ واپس جاکر جی۔ایچ۔کیو میں اس کا اندازہ لگاؤں گا کہ اس پل کی کوئی فوجی یا آپریشنل ضرورت تو نہیں ہے اگر نہ ہوئی تو اس پل کو گلگت دریا پر لگانے کے لیے میں احکامات جاری کروں گا۔

میں اپنی اس چھوٹی سی تقریر کو ختم کرنے سے پہلے دو خاص چیزوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔پہلی چیز تو یہ ہے کہ آپ کونسلر حضرات صحیح معنوں میں اس علاقے کے نمائندے ہیں۔آپ کو ووٹ سے چنا گیا ہے۔مجھے اُمید ہے کہ آپ پر عوام نے جو اعتماد کیا ہے آپ اس پر پورا اتریں گے۔اور وہ اعتماد آپ اس طریقے سے پورا کر سکتے ہیں جب آپ صحیح معنوں میں لوگوں کی خدمت کریں۔اب لوگوں کی خدمت کرنے کے لئے آپ کو اپنا کردار صحیح معنوں میں دکھانا پڑے گا۔کردار سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو سامنے نماز پڑھ کر دکھادیں۔ نماز اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے اس سے انسان کا کردار بہتر ہوتا ہے،لیکن نماز کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں اسلامی جذبے کے تحت کام کرنے کی ضرورت ہے اور اس میں آپ کو اپنا مثالی کردار ادا کرنا ہوگا۔

ہمارا ملک ایک ترقی پذیر ملک ہے اور ہمیں اپنی تمام دولت اور چیزوں سے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہیں،صحیح معنوں میں ان سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔اس لئے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ بجائے کاروں،جھنڈوں اور جیپوں کے سائیکل استعمال کیجئے۔مجھے جنرل اسلم شاہ صاحب نے بتایا ہے کہ گلگت کے سنٹرل کونسلرز کی تعداد سولہ ہے۔اس لئے میں راولپنڈی سے ان تمام سنٹرل کونسلرز کے لئے سولہ سائیکلیں تحفتاً بھجواؤں گا۔آپ اس پر نزدیک نزدیک کے علاقوں میں سفر کیجئے تاکہ لوگ دیکھیں کہ گلگت کا ہمارا نمائندہ مثالی کردار کا مالک ہے۔آپ اپنے آپ کو لوگوں کا صحیح منتخب نمائندہ ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

میں بھی پنڈی میں سائیکل استعمال کروں گا تاکہ پٹرول کی بچت ہو۔ جہاں پٹرول کا ذکر آیا ہے، میں آپ کے سامنے یہ اعلان کرنے میں بڑی خوشی محسوس کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی برکت سے ہمیں کچھ تیل اور مِل گیا ہے۔ آپ کو بھی مبارک ہو اور پاکستان کو بھی مبارک ہو۔ اب ہمیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح معنوں میں دعا مانگیں۔ مخلصانہ طور پر، کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے ہمیں مزید نوازے اور ہمیں صحیح معنوں میں مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ شکریہ۔

پاکستان زندہ باد

چھلا بانڈی پل (مظفر آباد) کے افتتاح کے موقع پر خطاب

۱۵ نومبر، ۱۹۷۹ء

۱۵ نومبر ۱۹۷۹ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے مظفر آباد کے قریب دریائے نیلم پر چھلا بانڈی پل کا افتتاح کیا۔ ایک کروڑ بیس لاکھ روپے کے خرچ سے تعمیر ہونے والا یہ پل وادئ نیلم کو "مظفر آباد، کوہالہ، اسلام آباد" روڈ سے ملاتا ہے۔ ۱۲۳ میٹر طویل اور ۸ میٹر چوڑے اس پل پر سے چالیس ٹن تک وزن لے جانے والی گاڑیاں گزر سکتی ہیں۔

سربراہ مملکت کی حیثیت سے جنرل محمد ضیاء الحق کا یہ آزاد کشمیر کا پہلا دورہ تھا چنانچہ صدر کے استقبال کے لئے پل کے قریب بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے تھے۔

صدر کی تقریر سے پہلے آزاد کشمیر کے صدر بریگیڈیئر محمد حیات خان نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے مختلف شعبوں میں آزاد کشمیر کا ترقیاتی جائزہ پیش کیا اور کہا کہ سرکاری شعبہ کے ساتھ ساتھ نجی شعبہ کو بھی آزاد کشمیر کی ترقی میں بھرپور حصہ لینے کے مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے ہوانا کی غیر جانبدار سربراہی کانفرنس میں کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کی حمایت کرنے پر صدر ضیاء الحق کا شکریہ ادا کیا۔

صدر مملکت نے اپنی افتتاحی تقریر میں چھلا بانڈی پل کو آزاد کشمیر میں خصوصاً گزشتہ دو سال کے دوران ترقی اور تعمیر نو کی علامت قرار دیا۔ صدر نے کہا کہ ترقی کے اس عمل کو جاری رکھنے اور عوام کی حالت بہتر بنانے کے لئے پاکستان پُرامن حالات کا خواہش مند ہے اور تمام ممالک خصوصاً اپنے پڑوسیوں کے ساتھ دوستی اور خیر سگالی کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ صدر مملکت نے اس سلسلے میں پاک بھارت تعلقات معمول پر لانے کی طرف پیش رفت کا ذکر بھی کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

وزیرِ امورِ کشمیر، جنرل ایف اے چشتی،
صدر آزاد جموں وکشمیر، بریگیڈیئر محمد حیات،
کونسلر صاحبان
اور
معزز حاضرین!

السلام علیکم۔ آزاد جموں وکشمیر کے دارالحکومت میں میری آمد پر آپ نے کشمیری روایات کے مطابق جس محبّت، خلوص اور جذبے سے میرا خیر مقدم کیا ہے میں اس سے بے حد متاثر ہوا ہوں اور اس مہمان نوازی کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

پچھلا بانڈی کے پل کا افتتاح کرتے ہوئے مجھے دلی مسرت محسوس ہو رہی ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس پل کی تعمیر سے نہ صرف لوگوں کو آمد و رفت کی بہتر سہولتیں میسّر ہو گئی ہیں بلکہ یہ اس ترقی اور تعمیرِ نو کی ایک علامت بھی ہے جو آزاد کشمیر میں گزشتہ دو سالوں سے جاری ہے۔

میں ایک سال پہلے بھی تقریباً انہی دنوں آزاد کشمیر آیا تھا اور میرپور میں ایک کارخانے کا سنگِ بنیاد رکھا تھا۔ اس وقت میں نے آزاد کشمیر کی ترقی کے لئے ایک کروڑ روپے کی خصوصی گرانٹ کا اعلان کیا تھا۔ بعد ازاں یہ رقم حکومت آزاد جموں وکشمیر کے حوالے کردی گئی تاکہ اسے صدرِ آزاد کشمیر کی نگرانی میں علاقے کی ترقی پر خرچ کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ ہر سال آزاد کشمیر کیلئے ایک کثیر رقم مختص کی جاتی ہے اگر آپ گزشتہ دو سالوں کی رقم پر نظر ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ رقم نہ صرف متواتر بڑھ رہی ہے بلکہ ۷۷-۱۹۷۶ء کی نسبت دوگنی ہوچکی ہے یعنی وفاقی حکومت کی جانب سے ملنے والی ترقیاتی اور غیر ترقیاتی امداد جو دو سال پہلے ۲۴ کروڑ ۳۲ لاکھ تھی، اب پچاس کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔

آزاد کشمیر کے لئے امدادی رقم میں اس اضافے کی وجہ حکومتِ پاکستان کی یہ پالیسی ہے کہ پسماندہ علاقوں میں ترقی کی رفتار کو تیز تر کیا جائے تاکہ وہ بھی دوسرے علاقوں کی صف میں کھڑے ہوسکیں کیونکہ موجودہ حکومت سمجھتی ہے کہ ترقی کی دوڑ میں تمام علاقوں کو شریک کرنا باہمی اتحاد اور یگانگت کے لئے ضروری ہے آزاد جموں وکشمیر کی طرف اس کا رویہ خاص طور پر ہمدردانہ ہے کیونکہ یہ علاقہ تقریباً ایک صدی سے محرومیوں کا شکار چلا آرہا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ اسے ہر لحاظ سے ان تمام اقدار کا نمونہ ہونا چاہیئے جن کے لئے جموں وکشمیر کے محبِّ وطن عوام نے عظیم قربانیاں دیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو فلاحِ عامہ کے منصوبوں کے لئے آئندہ بھی مناسب رقوم ملتی رہیں گی۔ اس پالیسی کے تحت موجودہ حکومت نے آزاد جموں وکشمیر میں صنعتوں کے قیام کے لئے پہلے ہی ٹھوس اور نتیجہ خیز رعایتیں دی ہیں۔ صنعت کاروں کو چاہیئے کہ وہ ان رعایتوں سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہاں کی صنعت کو پہلے ہی ٹیکس میں چھ سال کے لئے چھوٹ دی جاچکی ہے اس طرح آزاد کشمیر کے لئے صنعتی مشینری کو درآمدی ایکسائز ڈیوٹی سے مستثنٰی قرار دیا جاچکا ہے۔

ترقی کے اس عمل کو جاری رکھنے اور عوام کی حالت بہتر بنانے کے لئے پاکستان پُر امن حالات کا متمنّی ہے ۔ یہ تمام ممالک خاص طور پر ہمسایہ ممالک کے ساتھ دوستی اور خیر سگالی کو فروغ دینا چاہتا ہے اور اس سلسلے میں اس کی کوششیں بار آور بھی ہوئی ہیں اور پاک بھارت تعلقات کو معمول پر لانے کی طرف خاصی پیش رفت بھی ہوئی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دونوں ممالک کے درمیان پائیدار امن اور حقیقی دوستی اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک مسئلہ کشمیر اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل نہیں ہو جاتا۔ ہم اس سلسلے میں پہلے بھی اہلِ جموں و کشمیر کے حقِ خود ارادیت کی حمایت کرتے رہے ہیں اور انشاءاللہ آئندہ بھی کرتے رہیں گے ۔

ہم امن کے موجودہ دور کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اسے عوام کی بہبود اور خوش حالی کے لئے استعمال کرنے کے خواہاں ہیں۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ آزاد کشمیر میں مختلف ترقیاتی منصوبوں کا اثر کئی شہروں ، قصبوں اور دیہاتوں میں نظر آنے لگا ہے اور یہاں کی دیہی معیشت جو سالہا سال کی بے توجہی کی وجہ سے گوناگوں مسائل اور مشکلات سے دوچار تھی، اب ترقی کی انگڑائی لینے لگی ہے اور یہاں شاہراہوں اور رابطہ سڑکوں کی تعمیر، آبپاشی، بجلی کی ترسیل، تعلیم کی توسیع، جنگلات کے تحفّظ ، مربوط دیہی ترقی ، تجارتی فصلوں کی ترویج ، باغات کی توسیع اور زرعی پیداوار پر زور دیا جا رہا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ترقی کی یہ رفتار جاری رہی تو جلد ہی ایک خوشگوار تبدیلی نظر آنے لگے گی ۔ ترقی کی اس رفتار کو تیز تر کرنے میں یقیناً ان مقامی نمائندوں سے مدد ملے گی جو حال ہی میں بلدیاتی انتخابات میں کامیاب ہوئے ہیں ۔ عوام نے ان انتخابات میں جس غیر معمولی دلچسپی اور جوش و خروش کا مظاہرہ کیا ہے وہ بڑا حوصلہ افزا اور قابلِ تحسین ہے ۔ یہ بات میرے لئے خاص طور پر باعثِ مسرّت ہے کہ نومنتخب کونسلر نئی اصلاحات کی روح کو بخوبی سمجھتے ہیں اور وہ اس علاقے کی ترقی و خوشحالی کے لئے بے پناہ ولولہ اور قابلِ رشک جذبہ رکھتے ہیں ۔

آزاد کشمیر میں بسنے والوں کی بہتری کے علاوہ ہم ان مہاجرین کی آباد کاری پر بھی توجہ دے رہے ہیں جو پچھلی جنگوں میں اپنے گھروں سے نکلنے اور پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ ان میں سے لاکھوں افراد پہلے ہی پاکستان میں آباد ہو چکے ہیں۔ باقی مہاجرین کو بھی مرحلہ وار آباد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حال ہی میں مہاجرین کو ضلع جھنگ میں آباد کرنے کے لئے حکومتِ پنجاب سے درخواست کی جا چکی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ انہیں ضروری سہولتیں مہیا کرنے پر ہمدردی سے غور کرے گی۔ میں مہاجرین سے بھی توقع کروں گا کہ وہ نئے ماحول میں رچ بس کر ملک و قوم کی ترقی کے لئے دن رات محنت کریں۔

منگلا ڈیم کے متاثرین کی آباد کاری کے بارے میں صدر آزاد جموں و کشمیر کی تجویز پر پوری سنجیدگی سے غور کیا جائے گا۔ میرے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ بہت سے متاثرین کو سندھ میں اراضی کی پیش کش کی گئی تھی جو انہوں نے خود ٹھکرا دی۔ دراصل ہر متاثرہ کنبے کی خواہش تھی کہ اسے ایک خاص علاقے میں اس کی مرضی کی اراضی الاٹ کی جائے جو ناممکن تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ سندھ میں مختص کئے گئے ایک لاکھ ۳۳ ہزار ایکڑ میں سے صرف ۲۷ ہزار ایکڑ رقبہ استعمال کیا جا سکا اور متاثرین کی عدم دلچسپی کی وجہ سے کئی سالوں کے انتظار کے بعد حکومت سندھ کو باقی رقبہ دوسرے مستحق لوگوں کے لئے استعمال کرنا پڑا۔ زمین کی الاٹمنٹ کے علاوہ منگلا ڈیم کے متاثرین کو نقد معاوضہ بھی مل چکا ہے۔ حکومتِ پاکستان پوری کوشش کرے گی کہ منگلا ڈیم کے متاثرین کی جائز مشکلات جلد از جلد دور کی جائیں۔

آزاد جموں و کشمیر کی آبادی کا ایک کثیر حصہ بیرونی ممالک میں محنت و مشقت کر رہا ہے اور ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی ہمارے قیمتی زرِ مبادلہ میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ ہم ان کی محنت اور حب الوطنی کی قدر کرتے ہیں اور بیرونِ ملک اور اندرونِ ملک ان کی مشکلات کو جلد از جلد دور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض بنیادی اور ٹھوس اقدامات پہلے ہی

کئے جا چکے ہیں۔ جہاں تک بیرونِ ملک کام کرنے والوں کے بچوں کے تعلیم و تربیت کے لئے اقامتی تعلیمی ادارے کھولنے کا تعلق ہے، میں اس تجویز سے اصولی طور پر اتفاق کرتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ حکومت آزاد جموں وکشمیر اور اوورسیز ورکرز فاؤنڈیشن کے تعاون سے اس ضمن میں جلد کارروائی کی جائے گی۔ جہاں تک حکومتِ پاکستان کا تعلق ہے وہ بھی ہر لحاظ سے تعاون کرے گی۔

آزاد کشمیر کے طلبا کی مشکلات مجھے معلوم ہیں اور تھوڑی دیر پہلے صدر آزاد جموں وکشمیر نے بالمشافہ ان کی تفصیلات سے مجھے آگاہ کیا ہے۔ میرے رفیقِ کار جنرل چشتی نے مجھے بتایا ہے کہ طلبا کے وظائف کی تعداد میں حال ہی میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور ان کی دیگر ضروریات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ ایبٹ آباد میں اس سال جو میڈیکل کالج قائم کیا گیا ہے، اس میں بھی آزاد کشمیر کے لئے خاص کوٹہ مقرر کیا گیا ہے جونہی حالات اور وسائل نے اجازت دی، یہاں کے طلبا کی عام اور فنی تعلیم کے لئے موجودہ سہولتوں کو بہتر بنایا جائے گا۔

مجھے آزاد جموں وکشمیر کی تعمیر و ترقی میں گہری دلچسپی ہے۔ یہاں جن منصوبوں پر عمل کیا جا رہا ہے ان کی رفتار پر میری نظر ہے۔ میری دعا ہے کہ یہاں کے عوام ہر شعبۂ زندگی میں ترقی کی نئی سے نئی منزلیں حاصل کریں اور ترقی کی دوڑ میں کسی علاقے سے پیچھے نہ رہیں۔ آمین۔

آزاد جموں وکشمیر زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

صوبہ سندھ میں گندم کی بوائی کے آغاز کی تقریب سے خطاب

۱۸ نومبر، ۱۹۷۹ء

۱۸ نومبر ۱۹۷۹ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ٹنڈو جام کے قریب صوبۂ سندھ میں گندم کی بوائی کے آغاز کے سلسلے میں ایک تقریب میں شرکت کی۔

صدر کی تقریر سے پہلے صوبہ سندھ کے سیکرٹری زراعت مسٹر ایس ایم وسیم نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ گندم کی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافے کے پروگرام پر عملدر آمد کے لئے دیہہ، تعلقہ اور ضلع کی سطح پر ماہروں کی ٹیمیں اور سپر وائزری ٹیمیں تشکیل دی گئی ہیں جن میں مقامی کونسلروں کو بھی شریک کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ گندم کی موجودہ فصل میں نمایاں پیداوار حاصل کرنے والے کاشتکاروں کو گورنر سندھ کی شیلڈ اور سونے اور چاندی کے تمغے دیئے جائیں گے۔

صدر مملکت نے اپنی تقریر میں ملکی معیشت میں گندم کی اہمیت کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ملک کو خوراک کے معاملے میں خود کفیل بنانے کے لئے گندم کی پیداوار بڑھانے پر حکومت خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ صدر نے اس سال سندھ میں گندم کی ریکارڈ پیداوار پر کاشتکار بھائیوں کو مبارکباد دی اور کہا کہ صوبائی اور وفاقی حکومت کی طرف سے زرعی شعبے کی تمام ضروریات پوری کرنے کے لئے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ صدر نے بلدیاتی نمائندوں کو زرعی پیداوار بڑھانے کی جدوجہد میں بھرپور شرکت کی تلقین کی۔

بعد میں صدر نے ایک قریبی کھیت میں ہل چلا کر گندم کی بوائی کا آغاز کیا۔ گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس موقع پر شہنائی پر لوک دھنیں بجائی گئیں۔

صدر نے سندھ ایگریکلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لان میں منعقدہ ایک زرعی نمائش کا افتتاح بھی کیا۔ اس موقع پر صدر نے صوبائی محکمۂ زراعت کے لئے چار اور سندھ ایگریکلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لئے دو ٹریکٹروں کے عطیے کا اعلان بھی کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

گورنر سندھ ، سیکرٹری زراعت ،

اراکین محکمۂ زراعت

اور

میرے کاشتکار بھائیو !

السّلام علیکم ۔ آج صوبۂ سندھ میں گندم کی بوائی کی تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے اور میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس بات کا موقع دیا کہ میں اس سلسلے میں آپ کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کروں ۔

پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کی زرعی معیشت میں گندم کو جو بنیادی اہمیّت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ۔ ملک کو خوراک کے معاملے میں خود کفیل بنانے کے لئے سب سے زیادہ گندم کی پیداوار بڑھانے کی ضرورت ہے کیونکہ یہی ہم سب کی بنیادی خوراک ہے اور مطلوبہ مقدار میں گندم درآمد کرنے پر ہر سال بھاری رقمیں خرچ کرنی پڑتی ہیں جو ہمارے محدود

زرِمبادلہ کے وسائل پر ایک بہت بڑا بوجھ ہے ـــــ اس بوجھ کو کم کرنے اور آخر کار گندم کی درآمد سے نجات پانے کے لئے ہماری کوششیں برابر جاری ہیں اور اللہ تعالےٰ نے ہمیں کچھ کامیابی بھی عطا فرمائی ہے۔ گزشتہ سال ملک میں گندم کی پیداواری حد نو اعشاریہ پانچ ملین ٹن مقرر کی گئی تھی جو خدا کے فضل وکرم سے نہ صرف پوری ہوئی بلکہ اس سے زیادہ پیداوار ہوئی ـــــ اس کامیابی میں صوبۂ سندھ کے محکمۂ زراعت اور کاشتکار بھائیوں کا بھی حصّہ ہے کیونکہ جیسا کہ آپ نے بتایا کہ اس صوبے میں سولہ لاکھ پینسٹھ ہزار ٹن گندم پیدا ہوئی جو ایک ریکارڈ ہے۔ اس محنت، کوشش اور کامیابی پر میں آپ سب کو دلی مُبارکباد پیش کرتا ہوں۔

گزشتہ سال کی کارگزاری کو دیکھتے ہوئے اس سال ملک میں گندم کی پیداواری حد دس اعشاریہ چار سات ملین ٹن (یعنی ایک کروڑ چار لاکھ ستر ہزار ٹن) مقرر کی گئی ہے اور صوبۂ سندھ کے لئے یہ حد اٹھارہ لاکھ دس ہزار ٹن ہے۔ ہمارے ملک کے جفاکش کاشتکار جس جوش و جذبے سے کام کر رہے ہیں اس کے پیش نظر مجھے پوری اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ گندم کی پیداوار کی قومی اور صوبائی حدیں نہ صرف پوری ہوں گی بلکہ خدا کے فضل وکرم سے یہ اُمید رکھنی چاہیئے کہ اور زیادہ گندم پیدا ہوگی۔

زرعی پیداوار بڑھانے کا مسئلہ دراصل ایک ایسا زبردست چیلنج ہے جو ہمیں پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ قبول کرنا ہے کیونکہ مسلسل درآمدات کا سلسلہ ہماری عزتِ نفس اور ہماری خودداری کے منافی ہے۔ کوئی بھی غیرت مند قوم ہمیشہ دوسروں کی محتاج بن کر نہیں رہ سکتی مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی غیور قوم اور ہمارے بہادر کسان بھائیوں نے اس چیلنج کو پورے اعتماد سے قبول کیا ہے اور وہ وقت زیادہ دور نہیں جب ہم انشاء اللہ اتنی گندم پیدا کریں گے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد دوسرے ضرورت مند ملکوں کو بھی دے سکیں گے۔

اس سلسلے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اور کاشتکاروں میں ہر سطح پر مکمل تعاون

ہو اور پیداوار بڑھانے کی منظم کوششیں کی جائیں۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے، خواہ وہ وفاقی حکومت ہو یا صوبائی حکومت، میں آپ کو پورا یقین دلاتا ہوں کہ زرعی شعبے کی تمام ضروریات پوری کی جائیں گی اور انہیں تمام سہولتیں مہیا کی جائیں گی جن میں عمدہ بیج اور کھاد کی فراہمی، آب پاشی کی سہولتیں اور فصلوں کو کیڑے مکوڑوں سے محفوظ رکھنے کے اقدامات شامل ہیں۔ محکمۂ زراعت کے عملے کو چوکس کر دیا گیا ہے کہ وہ کاشتکار بھائیوں کو تمام سہولتیں بروقت مہیا کریں۔ صوبائی سطح پر گورنر شیلڈ اور سونے چاندی کے تمغوں کی پیش کش بھی موجود ہے جو دراصل اس حقیقت کا اظہار ہے کہ حکومت اپنے محنتی کسانوں کی قدر کرتی ہے اور ہر طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں، میں بلدیاتی اداروں کے منتخب ارکان کو بھی ان کی ذمہ داریاں یاد دلانا چاہتا ہوں۔ ان کو چاہیئے کہ زرعی پیداوار بڑھانے کی اس جدوجہد میں پورا حصہ لیں اور اسے ایک قومی فریضہ تصور کریں۔ عوام نے ان پر جو اعتماد کیا ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ وہ عام لوگوں کے مسائل حل کرنے میں ان کی مدد کریں اور اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ قومی پیداوار بڑھائی جائے۔ مجھے امید ہے کہ یہ نئے ارکان اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوئے نمائندگی کا پورا حق ادا کریں گے۔

کاشتکار بھائیو!

یہ میرا ایمان ہے کہ خدا کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا —— دنیا میں جن قوموں نے محنت کی اور قومی مقاصد کی تکمیل کے لئے جوش و جذبے سے کام کیا —— وہ قومیں آج سرخرو اور سربلند ہیں۔ ہم بھی انشاء اللہ محنت کر کے سرخرو ہوں گے اور گندم جیسی بنیادی ضرورت کے لئے کسی کے محتاج نہیں رہیں گے —— اِس سال بھی ہم پہلے سے کافی کم یعنی سات لاکھ ٹن گندم درآمد کر رہے ہیں اور خدا نے چاہا تو آئندہ اس کی بھی ضرورت نہیں رہے گی اور اس مد پر خرچ ہونے والا زرمبادلہ دوسرے ترقیاتی اور فلاحی کاموں پر خرچ ہوگا۔

زراعت کی ترقی کے لئے پورے ملک میں مختلف منصوبوں پر پوری سرگرمی سے عمل جاری ہے۔ صوبۂ سندھ میں زرعی شعبے کو ازسرِ نو منظّم کیا گیا ہے اور زرعی توسیعی پروگرام پر خاص توجہ دی گئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ زراعت کے شعبے میں تحقیق سے جو نئی معلومات حاصل ہو رہی ہیں ان سے کسانوں کو فائدہ پہنچایا جائے —— یہ توسیعی پروگرام آپ کے صوبے میں ایک دو مہینے کے اندر شروع ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ عمدہ قسم کا معیاری بیج حاصل کرنے کے لئے "سکرنڈ" کا پروسیسنگ پلانٹ بھی اگلے مالی سال سے کام شروع کر دے گا۔ ان تمام پروگراموں اور منصوبوں کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ ہمارے کاشتکار بھائیوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں ملیں اور ملک کی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو سکے۔

مجھے یہ سُن کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ حالیہ خریف کی فصلوں کی پیداواری حدیں نہ صرف پوری ہوئیں بلکہ چاول اور کپاس کی پیداوار انشاء اللہ مقررہ حد سے زیادہ ہوگی —— میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ہمارے کسان بھائیوں میں محنت کا بڑا جوش اور جذبہ ہے اور وہ حکومت کی کوششوں میں مکمل تعاون کر رہے ہیں —— اور یہی مشترکہ جدوجہد ہماری کامیابی کی ضمانت ہے۔

کاشتکار بھائیو!

آج آپ سے مل کر اور آپ کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر کے مجھے دلی مسرت ہوئی ہے کیونکہ آپ لوگ ہی ملک کی معیشت کے بنیادی ستون ہیں —— اور مجھے آپ کی جفاکشی اور جذبۂ حُب الوطنی پر فخر ہے۔ پچھلی فصلوں میں آپ نے جو کچھ کیا وہ قابلِ تعریف ہے اور انشاء اللہ آئندہ کی کارگزاری اس سے بھی زیادہ شاندار ہوگی۔

پاکستان پائندہ باد

حیدر آباد ڈویژن کے بلدیاتی اداروں کے سربراہوں سے خطاب

۱۸ نومبر ۱۹۷۹ء

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۸ نومبر ۱۹۷۹ء کو حیدر آباد ڈویژن کے بلدیاتی اداروں کے سربراہوں سے حیدر آباد کے سرکٹ ہاؤس میں خطاب کیا۔ صدر نے اپنے مختصر خطاب میں سیاسی جماعتوں کی طرف سے بلدیاتی انتخابات کی شدید مخالفت کا ذکر کیا اور کہا کہ ہم نے یہ انتخابات اس مخالفت کے باوجود اس لئے کروائے ہیں کہ مقامی مسائل کے حل کے لئے خدمت کا سچا جذبہ رکھنے والے لوگ سامنے آئیں۔ صدر نے بلدیاتی اداروں کے سربراہوں اور اراکین کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ آئندہ پاکستان کی قیادت آپ لوگوں میں سے آنی چاہیئے۔

تقریر کے بعد صدرِ مملکت نے بلدیاتی سربراہوں کو اظہار خیال کی دعوت دی اور کئی مسائل کے حل کے لئے موقع پر ہی مقامی انتظامیہ کو ہدایات دیں۔ اس اجلاس میں گورنر صوبہ سندھ لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی، صوبائی چیف سیکرٹری اور دیگر اعلیٰ سول اور فوجی حکام موجود تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم

جناب گورنر سندھ ،

جنرل عباسی صاحب ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ،

جنرل قاضی صاحب ،

حیدر آباد کے کونسلر صاحبان ،

معزّز حاضرین !

السلامُ علیکم - یہ میری عزّت افزائی ہے کہ میں آج حیدر آباد کے عوام کے منتخب نمائندوں سے مخاطب ہو رہا ہوں - میں جنرل عباسی کا مشکور ہوں کہ انھوں نے مجھے یہ موقع فراہم کیا - مجھے اُمید ہے کہ آپ حضرات کو اپنے فرائض سے بخوبی واقفیت ہوگئی ہوگی - اب اصل معنوں میں کام کرنے کا وقت ہے - آپ کے علم میں ہوگا کہ پانچ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد جب ہم نے پروگرام بنایا تھا کہ اقتدار عوام کے نمائندوں کو دے دیا جائے، اس وقت سے ہم عام انتخاب کے لئے کوشش کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ ہمارا مقصد یہ بھی تھا

کہ عوام کی نمائندگی ان کے اپنے اداروں کے سپرد کی جائے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب میں نے یہ کہا کہ لوکل سیلف باڈیز کا انتخاب کروانا چاہتا ہوں تو جتنی مخالفت اس کی ہمارے سیاسی بھائیوں نے کی، اتنی مخالفت شاید کسی اور نے کی ہو۔ اس کے متعلق میں نے لاہور میں اپنی تقریر کے دوران بڑی تفصیل سے بتایا تھا ممکن ہے آپ سب نے یہ پڑھا ہو یا سنا ہو۔ میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے، اگر الیکشن میں عوام کسی آدمی کو اپنا نمائندہ چن لیں تو پھر آپ اس کو نمائندہ تسلیم کریں گے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں کرنا تو چاہیئے لیکن ہم کریں گے نہیں کیونکہ اگر ہم نے اس کو نمائندہ تسلیم کر لیا تو پتہ نہیں وہ کونسی پارٹی کا ہو، پی این اے کا، پی پی پی کا یا تحریک کا۔ جب وہ نمائندہ عوام کے ووٹوں سے منتخب ہو کر آئے گا اور وہ حیدرآباد کی ڈسٹرکٹ کونسل کا ممبر بنے گا تو پھر وہ ہمارے پاس ٹکٹ کے لئے کب آئے گا۔ پھر تو وہ کہے گا کہ اگر آپ مجھے ٹکٹ دیتے ہیں تو میں آپ کی پارٹی کی حمایت کرتا ہوں ورنہ میں کسی اور پارٹی میں چلا جاتا ہوں، تو میں نے ان سے کہا کہ لوکل باڈیز کے الیکشن میں ہم ان کو کسی پارٹی کی بنیاد پر استعمال نہیں کریں گے اور نہ ہم پارٹی بازی ہونے دیں گے۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنے طور پر عوام کی توجہ ایسے آدمی کی طرف دلائیں جو کہ صحیح معنوں میں آپ کی پارٹی سے تعلق رکھتا ہو یا اس کا براہ راست تعلق نہ ہو تو اسے کم از کم ہمدردی ہو۔ آپ اگر پاکستان کی خدمت کسی اور طریقے سے نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ تو کر سکتے ہیں کہ صحیح قسم کے لوگوں کے چناؤ میں حکومت کی اعانت کریں لیکن آخری وقت تک کسی سیاسی پارٹی نے ہماری بات نہ مانی۔ جب ہم نے اعلان کیا کہ ۲۰ ستمبر سے ۲۷ ستمبر تک یہ الیکشن ہو جائیں گے تو انہوں نے ان کا بائیکاٹ بھی کیا اور یہ دیکھنے کے بعد کہ سب لوگوں کا رجحان اس طرف ہے اب یہ باتیں کر رہے ہیں کہ اس کا فائدہ پیپلز پارٹی نے اٹھایا۔ کوئی بھی نمائندہ اگر کسی سیاسی پارٹی کی مدد سے ان کے روپے پیسے سے یا اس پارٹی کے اثر و رسوخ سے منتخب ہو کر آیا ہے تو وہ نہ عوام کے کام کا ہے نہ حکومت کے کام کا۔

ایسے منتخب شدہ لوگوں کا ہمیں ثبوت بھی مل گیا ہے۔ ہمیں ایسا آدمی چاہیئے جو عوام کی خدمت کا جذبہ رکھتا ہو نہ کہ سیاسی آدمی ہو کیونکہ اگر ہمیں اس سطح پر سیاست کی ضرورت ہوتی تو پھر میں یہ کہتا کہ تمام لوکل باڈیز کے الیکشن پارٹی کی بنیاد پر ہوں گے لیکن دراصل ہمارا مقصد یہ تھا کہ اس سطح کے چناؤ کو سیاسی پارٹیوں سے الگ رکھا جائے تاکہ ایک تو سیاسی دباؤ نہ ہو دوسرا یہ کہ سیاسی پارٹیاں اپنا روپیہ پیسہ خرچ کر کے غلط قسم کے آدمیوں کو منتخب نہ کروالیں اور تیسری بات یہ تھی کہ عوام کو چاہیئے کہ وہ اُن لوگوں کو منتخب کریں جو ایماندار ہوں، مخلص اور ذہین ہوں، اسلامی ذہن رکھتے ہوں، صحیح معنوں میں پاکستانی ہوں، عوام کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہوں اور صحیح معنوں میں عوام کی نمائندگی کر سکیں، تو اس چناؤ کے بعد آپ کامیاب ہوئے ہیں۔ میں آپ سب حضرات کو اپنی طرف سے اپنی حکومت کی طرف سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

آپ سے ملاقات کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ سے تبادلۂ خیالات ہو جائے۔ میں عوام کے ان جذبات کا اظہار کر رہا ہوں جن کی وجہ سے آپ کا چناؤ ہوا ہے۔ اگر آپ نے کوئی غلط طریقہ استعمال کیا ہے یا کسی وجہ سے لوگوں نے غلط چناؤ کیا ہے تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ اس بات کی پوچھ گچھ آپ سے نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی ہوگی اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ نوّے فی صد لوگ اسلامی ذہن رکھنے والے ہیں جن آدمیوں کا دین اور مذہب کی طرف اتنا رگاؤ نہیں ہے وہ بھی مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو ہی یاد کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق ایک یہ دنیاوی زندگی جو کہ فانی ہے اور اس کے بعد ایک اور زندگی آئے گی جو کہ لافانی ہے اور جہاں حساب کتاب ہوگا۔ کسی بھی اہل ایمان کو اس بات پر کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ میرا اپنا تجربہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام کے تحت اگر کوئی شخص غلط کرتا ہے، کوئی شخص حرام کھاتا ہے، کوئی شخص لوگوں کو تکلیف دیتا ہے، اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں کچھ نہ کچھ سزا ضرور ملتی ہے۔ جس شخص نے

اپنے ماں باپ کی خدمت کی، لوگوں کی خدمت کی، صحیح معنوں میں ایماندار رہا، ایسے آدمیوں میں سے بعض کا اللہ تعالیٰ نے امتحان بھی لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا امتحان ہمیشہ سخت ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہم سے امتحان نہ لے، ہم پر رحم کرے کیونکہ ہم کمزور ہیں ممکن ہے امتحان میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ آپ کو عوام نے چُنا ہے اور آپ پر بھروسہ کیا ہے تو آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنے آپ کو صحیح معنوں میں عوام کا خادم سمجھیں۔ لوگوں کی تکالیف کا جائزہ لیجئے۔ آپ کو ملک کے وسائل کا علم ہونا چاہیئے۔ آپ کو یہ بھی علم ہونا چاہیئے کہ آپ کے علاقہ میں، اپنے حلقہ کار میں کن کن چیزوں کی ضرورت ہے اور کیا خرابیاں ہیں اور ان کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پاکستان میں عوام کو بہت تکالیف ہیں اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ ہمارا ملک ایک ترقی پذیر ملک ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ابھی ہمیں آزاد ہوئے تیس بتیس سال ہوئے ہیں۔ قوموں کی زندگی میں تیس بتیس سال بہت کم ہیں اور کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ عوام میں ملک و ملت کی خدمت کرنے کا جذبہ ہونا چاہیئے۔ میں آپ سے یہ توقع کروں گا کہ آپ صحیح معنوں میں لوگوں کی نہ صرف نمائندگی کریں بلکہ ان کی تکالیف کا جائزہ لیں اور مسائل کا حل ملک و قوم اور اپنے علاقہ کے وسائل کو مدنظر رکھ کر کریں۔ بعض جگہ وسائل عموماً کم ہوتے ہیں۔ کسی بھی ملک کو لے لیجئے، امریکہ کو لے لیجئے، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے ملک کے معیار کے لحاظ سے ان کے وسائل کم ہیں۔ عربوں کے پاس تیل ہے جو کالا سونا ہے۔ جب ان سے بات کریں تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے کاموں کے اعتبار سے ہمارے وسائل بہت کم ہیں۔ آپ کو اپنے وسائل کے مطابق ہی اپنے ترقیاتی کام انجام دینا ہیں۔

آپ چونکہ عوام کے نمائندے ہیں اس لئے آپ کا رہن سہن، بول چال اور طور طریقہ عوام کے مطابق ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ کوئی سمجھے کہ اس نے لاکھ روپیہ الیکشن پر خرچ کیا ہے اب جب تک چار لاکھ روپیہ نہیں بنا لوں گا چین نہ لوں گا۔ وہ زمانہ گیا، اگر مجھے

پتہ چل گیا تو ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ نہ میں حرام کھاتا ہوں نہ کسی کو کھانے دوں گا اور یہی طریقہ ہماری تمام فوجی قیادت کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے، مارشل لا میں اکثریت ایمان دار لوگوں کی ہے۔ ہم کوئی فرشتے نہیں ممکن ہے بعض حضرات نے غلطی کی ہو، بعض فوجیوں نے غلطی کی ہو، بعض ڈیفنس فورسس کے آدمیوں نے غلطی کی ہو، لیکن زیادہ تر لوگ ایمان دار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملک قائم و دائم ہے "چونکہ آج تک اس ملک میں، خواہ فوج میں، خواہ سول میں، خواہ پولیس میں اب تک اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور جن کی دعائیں اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اور انہی کی بدولت یہ ملک آپ کے لئے اور میرے لئے قائم ہے اور انشاءاللہ قائم رہے گا چونکہ اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے صرف اسی وقت کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ قیامت تک کے لئے آیا تھا۔ جو قومیں اسلامی قوانین، اسلامی اطوار کو اپنائیں گی اور صحیح معنوں میں ان پر عمل کریں گی اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کریں گے اور ان کو ہمیشہ ترقی اور خوشحالی نصیب ہو گی۔

یہ چند ایک گزارشات میں آپ سے کرنا چاہتا تھا اور مجھے اُمید ہے کہ جو طریقۂ کار صوبۂ سندھ نے اختیار کیا ہے۔ جس طریقے سے گورنر صاحب ان کے مشیر اور ان کے اہلکار آپ حضرات کو کامیاب بنانے کے لئے کوششیں کر رہے ہیں جو اختیارات حکومت آپ کو دینا چاہتی ہے اور جن کا اہل آپ کو ہونا چاہیئے اگر ان کو صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے تو مجھے اُمید ہے کہ نوّے فی صد لوگوں کے مسائل آپ کی سطح پر ہی ختم ہو سکتے ہیں۔ پاکستان میں سیاست اور لیڈر شپ کا سخت فقدان ہے، کمی ہے۔ آئندہ پاکستان کی قیادت آپ میں سے آنی چاہیئے۔ آئندہ پاکستان کی قیادت نہ صرف عوام کے نمائندوں سے آئے بلکہ جوان قیادت کی ضرورت ہے۔ جوان، اسلامی اور عوامی قیادت آگے لائیے اگر صحیح معنوں میں اسلام کی خدمت کرنی ہے۔ ہماری جو منزلِ مراد اور ہدف ہے اس کے متعلق کسی کو شک نہیں ہونا

چاہیئے۔ ہدف ہمارا ایک ہے، ایمان ہمارا ایک ہے اور قانون ہمارا ایک ہے۔ ان پر ہمیں عمل کرنا ہے اور قوم کو اپنے پاؤں پر نہ صرف کھڑا کرنا ہے بلکہ دنیا کے نقشے پر اپنے ملک کو ایسا مضبوط بنانا ہے کہ آنے والی نسلیں یاد کریں کہ پاکستان میں ایک وقت وہ بھی آیا تھا جب کہ اس کے عوامی نمائندوں نے وہ قیادت سنبھالی جو کہ اتنے سو سال چلی اور جو کہ صحیح معنوں میں اسلامی قیادت تھی۔

ان کلمات کے ساتھ میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ موقع دیا۔ اگر آپ کی کوئی رائے ہو، کوئی مشورہ ہو یا آپ مجھے کچھ اطلاع فراہم کرنا چاہتے ہوں تو میں حاضر ہوں۔ شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

قوم سے خطاب

۱۹ نومبر، ۱۹۷۹ء

۱۹ نومبر ۱۹۷۹ء کو پندرھویں صدی ہجری کے سلسلے میں دو سالہ تقریبات کے آغاز کے موقع پر صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر قوم سے خطاب کیا۔

صدر نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ کا حوالہ دیا اور عالمِ اسلام کے نشیب و فراز کا تذکرہ کرتے ہوئے اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ گزشتہ نصف صدی کے دوران مسلمانوں میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی ہے اور اقوامِ عالم میں انہیں ان کا جائز مقام مل رہا ہے۔

پاکستان میں نظامِ اسلام کے نفاذ کی چیدہ چیدہ باتوں کا ذکر کرتے ہوئے صدر مملکت نے خواندگی کی شرح بڑھانے، معاشرے کی تطہیر کرنے اور اقامتِ صلوٰۃ کے لئے کی جانے والی کوششوں کا حوالہ دیا اور کہا کہ ہمیں پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر اسلام کی عظمت اور سربلندی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے کا عزم کرنا چاہیئے۔ صدر مملکت نے پاکستان کے شہریوں سے اپیل کی کہ رات کو نمازِ عشاء کے بعد دو رکعت نفل بطور شکرانہ ادا کریں۔

صدر کی اس اپیل کا پورے ملک میں پُرجوش خیر مقدم کیا گیا اور لوگوں نے مسجدوں اور گھروں میں نمازِ شکرانہ ادا کی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

میرے عزیز بھائیو اور بہنو!

السلام علیکم - آج سے چودہ سو سال پہلے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مکّہ معظمہ سے مدینہ منوّرہ کو جو ہجرت فرمائی تھی، وہ اسلام کی عظمت اور سربلندی کا آغاز ہی نہیں بلکہ تاریخِ عالم کے سب سے روشن باب کی تمہید بھی ہے۔ سرورِ کونین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم نے چند ہی سالوں میں محبت اور مساوات سے بھرپور ایسا منظّم معاشرہ قائم کیا کہ دنیا آج تک اس کی مثال پیش نہیں کر سکی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے اخلاق سے اسلام قبول کرنے والوں کے کردار کی ایسی کایا پلٹ دی کہ خود دنیا کے لئے نمونہ بن گئے۔ آپؐ نے جس مثالی حکومت کا پودا اپنے مبارک ہاتھوں سے لگایا وہ آپؐ کے بعد بھی پھلتا اور پھولتا رہا۔

انصاف، امن اور رواداری کا جو چراغ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے روشن کیا تھا، اس کی شعلوں نے پہلی صدی ہجری کے اندر اندر عرب سے نکل کر اسپین سے وسط ایشیا تک کا سارا علاقہ منور کر دیا۔ اگلے سال ہجرت کے عظیم واقعہ کو گزرے چودہ سو سال ہو جائیں گے۔ سارے مسلمان ملکوں کی

اسلامی کانفرنس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے اختتام اور پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا کی تقریبات سن ہجری ۱۴۰۰ سے ۱۴۰۱ھ یعنی دو سال تک جاری رہیں گی۔ پاکستان میں اس کا آغاز میری آج کی تقریر سے ہو رہا ہے۔

اگر ہم پچھلے چودہ سو برس کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ جب تک مسلمانوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا، متحد و متفق رہے، تحقیق و اجتہاد کے راستے پر چلتے رہے اور محنت و مشقت کو اپنا شعار بنایا تو ہر طرح کی کامیابی اور کامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔ اگر ایک طرف میدانِ سیاست میں دنیا نے خالد بن ولید، محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد کا لوہا مانا تو علم کے میدان میں بھی ان کی برتری مسلّم ہو گئی۔ بو علی سینا، ابن خلدون، رازی اور خیام جیسے نامور فلسفیوں، مؤرخوں اور عالموں کے نام اب بھی ہمیں اس دور کی یاد دلاتے ہیں۔

اس کے برعکس جب مسلمان عیش و عشرت میں پڑ گئے، علمی تحقیق اور اجتہاد کی شاہراہ سے بھٹک کر جہالت اور ضعیف الاعتقادی کا شکار ہو گئے۔ اتفاق کی جگہ اختلاف نے لے لی تو انہیں ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ مسلمان تو پستی میں اترتے چلے گئے اور دوسری قومیں ترقی کی بلندیوں پر چڑھتی چلی گئیں۔

مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پچھلی نصف صدی میں مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوئی ہے اور صدیوں کا جمود آہستہ آہستہ ٹوٹ رہا ہے۔ مسلمان ممالک تیسری دنیا کے باقی ممالک کی طرح آزاد ہو گئے ہیں۔ ان کے اقتصادی حالات بتدریج بہتر ہو رہے ہیں اور عالمی سیاست میں ان کو ان کا جائز مقام ملتا جا رہا ہے۔ اطمینان کی بات یہ ہے کہ دنیاوی خوشحالی نے انہیں دین سے بیگانہ نہیں کیا بلکہ اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کا جذبہ ابھارا ہے۔

ہم مسلمان توحید کے پرستار ہیں۔ جب ہمارا خدا ایک ہے، رسولؐ ایک ہے، قرآن ایک، قبلہ ایک، تو کیا یہ دشوار بات ہے کہ تمام مسلمان ممالک میں اتحاد و اتفاق ہو؟ کیا یہ مناسب

ہنیں کہ باہمی صلاح ومشورہ سے ہم اپنے لئے ایسی سمت کا تعیّن کریں کہ مل جل کر سماجی، اقتصادی اور سیاسی پیش رفت کر سکیں تاکہ اقوامِ عالم کی مجلسوں میں ہماری آواز سنی جائے اور ہمارا وقار اونچا ہو۔

سیاسی، اقتصادی اور دفاعی لحاظ سے مسلم ممالک دنیا کے نقشہ پر مرکزی مقام رکھتے ہیں۔ دنیا کے اہم بّری، بحری اور ہوائی راستے ان ممالک سے ہو کر گزرتے ہیں۔ قدرت نے انہیں بے شمار مادی وسائل سے مالامال کیا ہے جو دنیا کی ترقی اور انسان کی بہبود کے لئے ضروری ہیں۔ اگر ۹۰ کروڑ فرزندانِ توحید اپنے انسانی اور مادی وسائل کا بھرپور استعمال کریں تو وہ دنیا میں اپنا صحیح مقام پا سکتے ہیں۔

میں آپ پر یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام ترقی پسند مذہب اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسلام اس پر زور دیتا ہے کہ انسان نے اپنی عقل وفکر کے ذریعے سائنس کے میدان میں جو انکشافات کئے ہیں، انہیں خلقِ خدا کی بہبود کے لئے استعمال کیا جائے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق زندگی ایک ایسی متحرک حقیقت ہے جس کا ہر قدم آگے ہی کو اٹھتا ہے۔ کائنات میں جو عمل جاری وساری ہے، اس میں خدا کی حکمت یہی ہے کہ اس سے انسان ترقی کی راہوں میں فیض یاب ہو۔ اسلام کی رو سے زندگی جمود کا نام نہیں ہے۔ لہٰذا وقت کا تقاضا ہے کہ مسلمان تحقیق اور جستجو کا وہی جذبہ پھر بیدار کریں جس نے ماضی میں زندگی کے ہر میدان میں انہیں ممتاز کر دیا تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ممالک اپنی محنت اور لگن سے دورِ حاضر کی تکنیکی مہارتیں جلد از جلد حاصل کریں۔ ہمیں یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہیئے کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ ہم نے ماضی میں جو وقت گنوایا ہے اب اس کی تلافی کرنی ہے۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا کے چند ترقی یافتہ ملک پچانوے فیصدی ٹیکنالوجی کے مالک ہیں جب کہ تیسری دنیا اور عالمِ اسلام کے ترقی پذیر ممالک کا حصہ صرف پانچ فی صد ہے۔ ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم سارے اسلامی ممالک کے مادی اور دوسرے تمام وسائل بروئے کار لائیں اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اپنا جائز مقام حاصل کریں۔

یہ مقام ہم اسی صورت میں حاصل کرسکتے ہیں کہ ہم موجودہ نسل اور آنے والی نسلوں کو تعلیم دلائیں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، آزادی حاصل کرنے کے بتیس سال بعد بھی ہماری آبادی کا اکثر وبیشتر حصہ پڑھنے لکھنے سے بھی محروم ہے۔ ہمارے ہاں تعلیم یافتہ طبقے کی شرح صرف ۲۵ فی صد ہے۔ باقی ساری قوم اَن پڑھ ہے۔ ہمیں ترقی کے لئے علم حاصل کرنا ہے۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ مہد سے لحد تک علم حاصل کرتے رہو۔ اگر ہم اس ہدایت پر عمل کرتے تو آج ہماری حالت کچھ اور ہی ہوتی، لیکن اب بھی دیر نہیں ہوئی۔ اگر صبح کا بھٹکا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہیں گے۔ ہم پاکستان میں علم کی ابتدا بھی قرآن سے کریں گے۔ آیئے قرآن پڑھیں، اسے سمجھیں اور سمجھ کر اس پر عمل کریں۔

پاکستان میں پندرھویں صدی ہجری کی دو سالہ تقریبات میں اس بات پر خاص زور دیا گیا ہے کہ ایک جامع منصوبہ کے تحت ملک سے ناخواندگی کی تاریکی کو کم سے کم وقت میں دور کیا جائے۔ اس کام میں کامیابی صرف اسی حالت میں ہو سکتی ہے جب ہم سب مل کر ناخواندگی کے خلاف مکمل جہاد کریں۔ پڑھے لکھے لوگ دوسروں کو پڑھائیں اور اَن پڑھ پڑھنے کا جذبہ اور ہمت پیدا کریں۔

ملک سے ناخواندگی دور کرنے اور علم کی روشنی پھیلانے کے ساتھ ساتھ، ہمیں اپنی راہوں کی نشاندہی کرنا بھی ضروری ہے۔ میں آپ سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا تاکہ یہاں کے عوام اسلامی تعلیمات کے رنگ میں اپنی زندگیوں کو رنگ سکیں۔ افسوس ہے کہ آزادی ملنے کے بعد ہم نے بہت سا وقت گنوا دیا۔ یہ اس حکومت کی خوش قسمتی ہے کہ اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کی سعادت اس کے حصہ میں آئی ہے۔ اس ضمن میں کچھ پیش رفت ۱۲ ربیع الاوّل کو بعض اسلامی قوانین کے نفاذ سے ہوئی جس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ خدا کی مدد اور آپ کے تعاون سے یہ کارِ خیر انشاءاللہ جاری رہے گا۔

اسلام ازلی اور ابدی مذہب ہے۔ یہ ازلی اس لحاظ سے ہے کہ قرآن کے قطعی احکام میں ردّوبدل کی گنجائش نہیں ہے اور ابدی اس لحاظ سے ہے کہ قرآن اور سنت کی روشنی میں اجتہاد کے دروازے ہر وقت اور ہر دور کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ ان اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلامی نظام کے نفاذ میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیئے۔

یہ میرا ایمان ہے کہ اسلامی نظام کا نفاذ ہی ہمارے بہت سے مسائل کا حل ہے۔ سماجی انصاف کا جو تصوّر اسلام میں ہے وہ اور کہیں نہیں ملتا۔ اسلامی قانون کے تحت عورت کو جو حقوق حاصل ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ رکھتے ہیں۔ اسلام نے گورے، کالے، امیر، غریب اور ذات پات کا امتیاز مٹا دیا ہے۔ صحیح اسلامی معاشرے میں کوئی شخص بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا۔ ہماری کوشش ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں پاکستان میں صحیح اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب کرے۔ آمین۔

اسلام عقیدہ کی آزادی کا علَم بردار ہے۔ چنانچہ غیر مسلم اقلیّتوں کو اپنے اپنے عقیدے اور رسم ورواج پر چلنے کی پوری پوری آزادی دیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جب بھی اپنے مذہب پر کاربند رہے، غیر مسلموں سے ان کا سلوک منصفانہ ہی نہیں بلکہ فیاّضانہ بھی رہا۔

اسلامی نظام کے نفاذ کا سب سے اہم پہلو معاشرے کی تطہیر ہے۔ اس سلسلے میں جہاں بعض اہم ذمہ داریاں حکومت پر عائد ہوتی ہیں، وہاں عوام کے بھی انفرادی اور اجتماعی طور پر کچھ فرائض ہیں۔ ان فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں مجھے چند مخلص اصحاب نے کچھ تجاویز بھیجی ہیں۔ میں ان کے جذبے کی قدر کرتا ہوں اور ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مجھے ملنے والی تجاویز میں سے ایک نسخہ جو قرآنی آیات اور احادیث پر مبنی ہے، قابلِ تحسین اور قابلِ تقلید ہے۔ اس کا ذکر میں یہاں کرنا چاہتا ہوں۔ جن صاحب نے یہ نسخہ بھیجا ہے شاید وہ خود بھی سن رہے ہوں۔ نسخے کے اہم نکات یہ ہیں:۔

۱۔ السلامُ علیکم کہنا اور جواب میں وعلیکمُ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کہنا ہر مسلمان پر لازم ہے اگر آپ یہ نہیں کہہ سکتے تو کم سے کم وعلیکمُ السلام دل سے ہی کہیں۔

۲۔ کلمۂ طیبّہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ) کا زبانی یاد ہونا اور اس کا ترجمہ معلوم ہونا ضروری ہے۔

۳۔ سورۃ فاتحہ (یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ.....) اور اس کا لفظی ترجمہ حفظ ہو۔

۴۔ لکھنا پڑھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری اور سود مند ہے۔

۵۔ والدین کی تعظیم فرض ہے۔

۶۔ سچی شہادت یعنی گواہی دینا فرض ہے خواہ وہ والدین کے ہی خلاف ہو۔

۷۔ جس نے قصداً کسی کو قتل کیا، اس کی جزا جہنّم ہے۔

۸۔ کسی کا ناجائز طور پر مال کھانا، کسی کو بے آبرو کرنا اور کسی انسان کا خون بہانا حرام ہے۔

۹۔ پڑوس میں یا قرب وجوار میں اگر کوئی شخص بھوکا سوئے تو خود پیٹ بھر کر کھانا حرام ہے۔

۱۰۔ فساد، بلوہ اور جھگڑا کرنا حرام ہے اور فساد کرنا قتل سے زیادہ بُرا ہے۔

۱۱۔ حلال کی کمائی فرض ہے۔

۱۲۔ بھلائی اور نیک کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور بُرے کام میں کسی کی مدد مت کرو۔

۱۳۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہر بالغ مسلمان پر فرض ہے۔

آخر میں نماز کے سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پچھلی ایک تقریر میں، مَیں نے نماز پر زور دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نماز عام ہوئی۔ دفاتر میں نماز پڑھی گئی، مساجد میں پڑھی گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ جوش اور ولولہ باقی ہے، لیکن اس معاملے میں مشاہدہ یہ ہے کہ اس میں کچھ سستی واقع ہو رہی ہے۔ میں پاکستان کے عوام سے یہ درخواست کروں گا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوطی سے

پکڑنا ہے تو اس کی گرفت کے لئے نماز قائم کرنا اشد ضروری ہے۔ آپ خود نماز پڑھئے، اپنے دائرۂ اختیار کے اندر نماز پڑھوائیے اور نماز خود پڑھ کر مثال قائم کیجئے۔

میرے عزیز ہموطنو! ہمیں اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ان ارشادات پر ابھی اسی وقت سے عمل کرنا چاہیئے اس میں ہمارا اپنا بھی فائدہ ہے اور اجتماعی طور پر معاشرے کی بھلائی اور بہبود بھی ہے۔ لہٰذا میں یہ توقع کروں گا کہ ہم سب نہ صرف ان نکات پر عمل ہی کریں گے بلکہ اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں اس پر عمل بھی کروائیں گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہر دفتر اور ہر ادارے خواہ وہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری، ہر اسکول، ہر کالج، ہر یونیورسٹی، ہر محلے، ہر گلی اور ہر کوچے میں اس کا ذکر عام کیا جائے۔

میں اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے چند باتوں کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلی بات سادگی کے متعلّق ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی زندگی میں سادگی کو اپنائیں اور نمود و نمائش کو ترک کر دیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ساری زندگی جس سادگی سے بسر کی وہ ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیئے۔ ہم فضول خرچی کو چھوڑ کر اپنی آمدنی کی حدود میں رہ کر قناعت سے کام لیں تو ہم معاشی بدحالی سے نجات پا سکتے ہیں۔ بیرونی مصنوعات کا شوق ہماری دولت و ثروت کو باہر بھیجتا ہے اگر ہم پاکستانی مصنوعات استعمال کرنے کا عہد کریں تو ہم اپنی صنعت و حرفت کو اتنا فروغ دے سکتے ہیں کہ خود ہماری مصنوعات اپنی خوبی میں بدیسی مصنوعات سے پیچھے نہ رہیں۔ کفایت شعاری کا اصول نجی زندگی کی طرح قومی زندگی پر بھی عائد ہوتا ہے۔ ہم سب کو یہ عزم کرنا چاہیئے کہ ہم اپنی زندگی میں سادگی لائیں گے۔

—— جہاں تک ہو سکے پاکستانی مصنوعات استعمال کریں گے —— تصنّع اور بناوٹ سے پرہیز کریں گے اور —— صحیح معنوں میں مسلمان اور پاکستانی بنیں گے۔

پندرھویں صدی کے آغاز کی تقریبات میں مسلمانوں کے قبلۂ اول بیت المقدس کی

آزادی کی مہم بھی شامل ہے۔ اسلامی کانفرنس کی تنظیم نے ۱۴۰۰ ہجری کو سالِ قدس شریف کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس اعلان کا مقصد یہ ہے کہ سارے مسلمان متفق ہو کر قدس شریف پر سے اسرائیل کے ناجائز قبضہ کو ختم کرانے کے لئے جدوجہد کریں۔ اس ضمن میں حکومتِ پاکستان اور پاکستان کے عوام نے ہمیشہ اپنے عرب بھائیوں کا ساتھ دیا ہے اور ان کی ہر جائز جدوجہد میں شانہ بشانہ شریک رہے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی شریک رہیں گے۔

پاکستان میں ان تقاریب کو دو سال تک منانے کے لئے ایک خاص کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کے صدر جناب بروہی صاحب ہیں۔ اس کمیٹی نے ان دو سالہ تقریبات کا ایک جامع منصوبہ تیار کیا ہے جسے حکومتِ پاکستان نے منظور کر لیا ہے۔ اس منصوبے کی تفصیلات کل جناب بروہی صاحب خود ایک پریس کانفرنس میں بیان کریں گے۔

میرے عزیز ہموطنو!

آیئے، پندرھویں صدی کے آغاز پر ہم اسلام کی عظمت اور سربلندی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے کا عزم کریں۔ ایسے معاشرے کی تشکیل کریں جس میں سماجی انصاف ہو، تحقیق اور جستجو کی لگن ہو، محنت اور دیانتداری کا جذبہ ہو اور جہاں غربت اور جہالت ناپید ہوں۔

آیئے، ہم سب مل کر دعا کریں کہ خدا کی مدد ہمارے شاملِ حال رہے اور وہ اپنی رحمتوں اور برکتوں سے بھی نوازتا رہے۔

اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے میں آپ سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ ہم اس تاریخی موقع کی ابتدا ایک نیک کام سے کریں۔ آیئے، ہم سب آج رات بعد نمازِ عشاء دو رکعت نفل

شکرانہ کے طور پر ادا کریں تا کہ خدائے بزرگ و برتر ہمارے نیک ارادوں میں برکت دے۔ آمین۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،۔

اسلام زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

قوم سے خطاب

۲۱ نومبر، ۱۹۷۹ء

۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء کی صبح کو فجر کے وقت بعض مسلّح افراد نے حرم کعبہ پر قبضہ کر لیا اور وہ وہاں مورچہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ اس سانحہ کی خبر نے پورے عالم اسلام کو ہلا کر رکھ دیا۔ ابتدا میں خانۂ کعبہ کی بے حرمتی کے اس سنگین واقعہ کی تفصیلات واضح نہیں تھیں چنانچہ طرح طرح کی افواہیں بھی پھیلیں۔ بعض غیر ملکی نشریاتی اداروں نے اس طرح کا تاثر دیا جیسے خانۂ کعبہ پر قبضہ میں امریکہ کا ہاتھ ہے۔ اس طرح کی افواہوں سے لوگوں کے جذبات مشتعل ہوئے۔ پاکستان میں خانۂ کعبہ کی بے حرمتی کی خبر سے غم و غصہ کی زبردست لہر پھیلی ہوئی تھی۔ ان افواہوں سے حالات اور خراب ہوئے۔ ۲۱ نومبر کو ایک مشتعل ہجوم نے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کو آگ لگا دی۔ راولپنڈی اور لاہور میں بھی اس طرح کے اکّا دکّا واقعات ہوئے۔ اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کو مشتعل ہجوم سے بچانے کے لئے حکومت نے فوری کارروائی کی اور فوجی دستوں نے حالات پر قابو پایا۔ حکومت پاکستان کی اس کارروائی کو امریکی حکام اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے سراہا اور اسے بروقت اقدام قرار دیا۔

۲۱ نومبر کی شام کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر قوم سے خطاب کیا اور خانۂ کعبہ میں مسلّح افراد کی مداخلت کے واقعہ کی ان مصدقہ تفصیلات سے لوگوں کو آگاہ کیا جو اس وقت تک سعودی حکومت اور پاکستانی سفارت خانے کے ذریعہ موصول ہوئی تھیں۔ صدر نے ان اقدامات سے بھی آگاہ کیا جو سعودی حکومت خانۂ کعبہ پر ناجائز قبضہ ختم کروانے کے لئے کر رہی تھی۔ صدر مملکت نے لوگوں سے جذبات کو قابو میں رکھنے کی اپیل کی۔ صدر کی اس تقریر کا لوگوں پر فوری اثر ہوا۔

صدر کی اپیل پر خانۂ کعبہ کی واگزاری کے لئے پورے پاکستان میں نوافل پڑھے گئے اور دعائیں مانگی گئیں۔

۲۵ نومبر کو خانۂ کعبہ پر قابض تمام منحرف افراد نے ہتھیار ڈال دیئے جس پر پورے عالم اسلام میں سکھ کا سانس لیا گیا۔ پاکستان میں شکرانے کی نمازیں پڑھی گئیں اور صدر مملکت نے تمام قیدیوں کی میعاد میں ۱۵ دن کی عام معافی کا اعلان کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِيْمِ

میرے عزیز ہموطنو!

السلام علیکم ۔ آج جب محرم الحرام کا چاند ہو گیا ہے اور ہم چودھویں صدی ہجری کے آخری سال میں داخل ہو گئے ہیں، یہ افسوسناک خبر آئی ہے کہ کل صبح نمازِ فجر کے وقت کچھ مسلّح افراد نے جنہوں نے سرخ عمامے سمیت عربی لباس پہنا ہوا تھا، حرم شریف کو زبردستی گھیرے میں لے لیا اور عبادت میں مصروف مسلمانوں کو یرغمال بنا لیا۔ بعد میں یہ اطلاع بھی ملی کہ ان مسلّح افراد نے امامِ کعبہ کو کچھ دیر حراست میں رکھنے کے بعد رہا کر دیا اور بہت سے یرغمالی مسلمان بھی خانۂ کعبہ سے باہر آ گئے۔

ہم نے سعودی حکومت اور اپنے سفارت خانے سے برابر رابطہ قائم کر رکھا ہے اور میں نے اپنی طرف سے، حکومت کی طرف سے اور پاکستان کے غیور عوام کی طرف سے اس افسوسناک واقعہ پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور حکومتِ پاکستان کی طرف سے ہر طرح کی امداد کا یقین دلایا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ سعودی عرب کی حکومت جس کے پاس ضروری مادی وسائل اور کروڑوں مسلمانوں کی

دعائیں ہیں، صورتِ حال پر جلد قابو پا لے گی اور حرم شریف جس طرح پہلے ہر وقت فرزندانِ توحید کے لئے کھلا رہتا تھا تا ابد کھلا رہے گا اور ہر خطّے، ہر قوم، ہر رنگ اور ہر نسل کے مسلمان پہلے کی طرح وہاں آزادانہ عبادت کر سکیں گے۔

افسوس کا مقام ہے کہ یہ خبر نشر کرتے وقت چند غیر اسلامی ذرائع ابلاغ نے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے اپنے اپنے مفاد کے مطابق تاثر دینے کی کوشش کی، حالانکہ تا حال تحقیقات سے جو تفصیلات سامنے آئی ہیں ان سے ان تاثرات کی تصدیق نہیں ہو سکی۔

تا حال جو اطلاعات ملی ہیں ان کے چند اہم نکات یہ ہیں:۔

۱۔ ان افراد کا تعلق کسی مغربی ملک سے نہیں۔

۲۔ وہ اپنے دعوے کے مطابق غیر مسلم نہیں ہیں۔

۳۔ اس کارروائی میں کوئی سیاسی یا فرقہ وارانہ ہاتھ نہیں ہے بلکہ وہ مذہبی انتہا پسند معلوم ہوتے ہیں۔

آج جب اہلِ پاکستان نے یہ خبر سنی تو قدرتی طور پر سارے ملک میں غم و غصّے کی لہر دوڑ گئی۔ کہیں کہیں جذبات قابو سے باہر بھی ہو گئے اور مشتعل ہجوم نے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے کے ایک حصّے، لاہور میں امریکی قونصل جنرل کے دفتر اور یہاں راولپنڈی میں برٹش سنٹر سمیت بعض عمارتوں، گاڑیوں اور دیگر املاک کو نذرِ آتش کر دیا جس کا مجھے از حد افسوس ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس واقعے پر جہاں غم و غصّے کی لہر پھیلنا قدرتی امر تھا وہاں اس کے اظہار کا جو طریقہ اپنایا گیا وہ مسلمانوں جیسے نظم و ضبط کے پابند لوگوں کے شایانِ شان نہ تھا۔ مجھے خود اس واقعہ سے شدید رنج ہوا ہے اور بحیثیت مسلمان میرے جذبات بھی مجروح ہوئے ہیں، لیکن میرا ایمان ہے کہ اسلام ہمیں اشتعال اور غم و غصّے کے عالم میں صبر و تحمل، عزم و ہمت اور نظم و ضبط قائم رکھنے کی ہدایت کرتا ہے کیونکہ جذبات کی رَو میں بہہ جانے سے اسلام اور اس کے متبرک نام کو

ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ آج سہ پہر کو سعودی وزارتِ داخلہ نے اس بارے میں جو بیان جاری کیا اس کا متن یہ ہے :

"منگل کی صبح کو نمازِ فجر کے وقت مذہبی بے راہروؤں کا ایک گروہ حرم شریف میں داخل ہوگیا اور اپنے ساتھ کچھ ہتھیار اور ایمونیشن بھی اندر لے گیا۔ ان مسلح افراد نے کعبہ شریف میں موجود مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے ایک ساتھی کے متعلق اعلان کیا کہ "یہی وہ مہدی ہیں جن کا انتظار تھا"۔ اس کے بعد انہوں نے وہاں موجود مسلمانوں کو طاقت کے زور پر اپنے ساتھی کو مہدی تسلیم کرنے پر مجبور کیا۔

" سعودی حکام نے تمام علماء سے فتویٰ لینے کے بعد صورتِ حال کو قابو میں لانے اور حرم شریف میں موجود مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے ضروری اقدامات کئے۔

" مزید صورتِ حال کے متعلق سعودی وزارتِ داخلہ مزید بیان جاری کرے گی۔"

اس سلسلے میں جدّہ میں ہمارے سفارت خانے نے امام صاحب کعبہ شریف سے رابطہ قائم کرکے جب اس واقعہ کے متعلق ان کے تاثرات پوچھے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ چند انتہا پسند، گمراہ اور سرپھرے افراد کا کام ہے۔

معزز خواتین وحضرات! میں نے آپ سے مخاطب ہونے سے پہلے خود سعودی عرب کے فرمانروا شاہ خالد سے ٹیلیفون پر بات کی ہے اور انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ مسلّح انتہا پسندوں سے نمٹنے کے لئے ان کی حکومت ضروری اقدامات کر رہی ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق مسلح افراد کے محاصرے کو توڑ دیا گیا ہے مگر اس کی تصدیق فی الحال نہیں ہو سکی۔

مزید تفصیلات کا انتظار ہے۔

محرم الحرام کی آمد پر میں آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ عظیم اسلامی روایت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے جذبات کو قابو میں رکھیں اور نظم وضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے دیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ حرم شریف پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔اس کے نگہبان نوّے کروڑ مسلمان ہی نہیں خود خدائے بزرگ و برتر بھی ہے۔ انشاء اللہ یہ مرکزِ توحید ہمیشہ آزاد اور باوقار رہے گا۔ آمین۔

اسلام زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

راولپنڈی کے شہریوں سے خطاب

۲۱ نومبر ۱۹۷۹ء

۲۱ نومبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت نے راولپنڈی شہر کا چار گھنٹے تک دورہ کیا۔ وہ کنٹونمنٹ اور شہر دونوں علاقوں میں گئے۔ کچھ دیر صدر نے سائیکل پر دورہ کیا اور کچھ عرصہ کھلی جیپ میں۔ صدرِ مملکت شہر کے جس حصے میں بھی گئے سڑک کے دونوں طرف ہزاروں لوگ انہیں دیکھنے کے لئے جمع تھے۔ لوگوں نے اسلام زندہ باد، پاکستان زندہ باد اور ضیاء الحق زندہ باد کے نعروں سے صدر کا خیر مقدم کیا۔ کئی جگہ لوگوں نے صدر پر پھول کی پتیاں نچھاور کیں۔

اس دورے میں صدرِ مملکت نے ٹاؤن ہال میں راولپنڈی کے نومنتخب کونسلروں سے خطاب کرنے کے علاوہ پانچ مختلف مقامات پر لوگوں سے مختصر خطاب کیا۔ کامران مارکیٹ کے چوراہے پر اور مریڑ حسن پر جو کنٹونمنٹ میں ہیں اور شہر کے علاقوں میں بنی چوک، فوارہ چوک اور وارث خان چوک پر لوگوں کے بڑے اجتماعات تھے جہاں صدر نے مختصر تقریریں کیں۔

فوارہ چوک پر صدرِ مملکت ایک کھلی جیپ میں سوار ہو گئے۔ بہت سے لوگ زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے صدر کی جیپ کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے اور فضائیں اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہی تھیں۔ صدر نے اس دورے میں غریب مردوں اور عورتوں میں سینکڑوں بوری آٹا اور سینکڑوں لحاف تقسیم کئے۔ بعض کو نقدی بھی دی۔ انہوں نے حکام کو لوگوں کی مشکلات حل کرنے پر فوری توجہ دینے کی ہدایات بھی دیں۔

اپنے دورے کے آخری سٹاپ مریڑ حسن چوک پر اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے صدر،

مملکت نے کہا کہ میرے اچانک دورے کا مقصد شہر کے حالات کا جائزہ لینا اور سڑکوں، اسپتالوں وغیرہ کی حالت دیکھنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں نے میرے دورے پر جس پرجوش ردِ عمل کا مظاہرہ کیا ہے وہ میری توقعات سے بڑھ کر ہے۔

ٹاؤن ہال راولپنڈی میں نو منتخب کونسلروں کے اجتماع سے صدرِ مملکت کے خطاب کا متن آئندہ صفحات میں شامل کیا جا رہا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

جناب بریگیڈیئر سرفراز صاحب،

کمشنر لغاری صاحب،

ڈپٹی کمشنر راولپنڈی اور

کونسلر حضرات!

السلام علیکم ۔ بطور کونسلر حلف وفاداری اٹھانے پر آپ کو میری طرف سے بہت بہت مبارکباد ۔ میرے یہاں آنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کی طرف سے صفائی کے انتظامات کے بارے میں اعتراضات کے پیش نظر خود راولپنڈی شہر کا چکر لگاؤں لیکن میں نے دیکھا ہے کہ بریگیڈیئر سرفراز اور کمشنر لغاری صاحب کی نگرانی میں سب نے بہت محنت سے کام کیا ہے ۔ تاہم ایک عرصہ سے لوگوں میں کام چوری کی جو عادت پڑ گئی ہے وہ جاتے جاتے ہی جائے گی دوسرے میں نے سوچا کہ راولپنڈی کی میونسپل حدود سے گزر رہا ہوں تو آپ سے کچھ باتیں کرتا چلوں ۔ میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے اور مجھے یہ موقع دیا ۔ میں صرف دو چار باتیں بتانا

چاہتا ہوں۔ یہ باتیں وہی چند نکات ہیں جو میں نے حیدر آباد کے کونسلر حضرات کے سامنے حال ہی میں پیش کئے۔ ممکن ہے ان کے بارے میں آپ نے اخبارات میں پڑھا ہو یا ریڈیو یا ٹیلیویژن پر دیکھا ہو۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام کا نظام منفرد نظام ہے اس میں جمہوریت بھی ہے اور کچھ آمریت بھی ہے۔ آپ غور کیجئے کہ صدر کارٹر جب کسی بات کا فیصلہ کرتے ہیں، مثال کے طور پر یہ کہ ایران سے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں تو وہ پوری قوم کو بلا کر یہ نہیں پوچھتے کہ ایران کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا ہے یا لڑائی کرنی ہے۔ جب آپ نے کسی شخص کو چن لیا تو فیصلہ کرنا اس کے دماغ اور اللہ تعالیٰ کی برکت پر منحصر ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ پاکستان میں جمہوریت محض اسی طرح چل سکتی ہے کہ پچاس پارٹیاں آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹیں اور اس طرح کچھ لوگ چُنے جائیں تو صرف وہی جمہوریت ہو گی یہ غلط ہو گا۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ نچلی سطح پر اس وقت تک حالات بہتر نہیں ہو سکتے جب تک صحیح معنوں میں لوگوں کے چنے ہوئے نمائندے اپنی ذمہ داریاں نہیں سنبھالتے۔ اس چناؤ میں لوگوں نے اپنی طرف سے آپ کو ذمہ داریاں سونپی ہیں۔ اب اس میں آپ کے اپنے کردار کا کتنا حصّہ ہے آپ نے جو زردے پلاؤ کھلائے ہیں اس کا کتنا حصہ ہے اور اگر آپ نے کوئی اور حربے اختیار کئے ہیں تو ان کا کتنا حصہ ہے یہ سب آپ کو بہتر معلوم ہے۔ آپ پنڈی شہر کے لئے، پنڈی صدر کے لئے لوگوں کے نمائندے ہیں ان کی نظریں آپ پر لگی ہوئی ہیں۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ ہمارے نمائندے کس طرح ہماری خدمت کرتے ہیں۔ گزشتہ روز میں گلگت میں تھا وہاں میں نے نمائندوں سے کہا کہ آپ لوگ جیپوں کا انتظار نہ کریں جھنڈیوں کا انتظار نہ کریں۔ آپ مہربانی کر کے سائیکلوں پر جائیں گھر گھر جا کر لوگوں سے ان کی تکالیف معلوم کریں اور اپنے دائرہ اختیار کے اندر ان کی خدمت کریں۔ یہی میں آپ سے کہتا ہوں، التجا کرتا ہوں کہ آپ صحیح معنوں میں لوگوں کی خدمت

کریں۔ اگر آپ کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے دو لاکھ روپیہ الیکشن پر خرچ کیا اور اب پانچ لاکھ بنائیں گے تو میرے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہو سکتا مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کا اپنا ضمیر یہ اجازت نہیں دے گا۔ ایک طرف ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں پاکستان کو اسلام کا قلعہ کہتے ہیں دوسری طرف ہم رشوت ستانی اور غلط کاموں میں لگ جائیں تو یہ اسلام نہیں، مجھے اُمید ہے کہ آپ حضرات صحیح معنوں میں اسلامی جذبے کے ساتھ عوام کی خدمت کریں گے اور لوگ آپ کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اس شہر میں بہت سے اچھے لوگ ہیں جو صرف اشارہ چاہتے ہیں بے شمار کارکن ایسے ہیں جو آپ کی مدد کے لئے تیار ہیں اور بہت سے غربا بھی ہیں جن کے سر پر آپ کو شفقت کا ہاتھ رکھنا ہے۔

پاکستان میں اللہ کے فضل وکرم سے بے روزگاری نہیں ہے لیکن صحیح معنوں میں آدمی کو اس کا روزگار مہیا نہیں ہوتا کیونکہ اگر ایک آدمی صحیح معنوں میں با روزگار ہے تو پھر اس کو اپنا اور بچوں کا پیٹ پالنے میں دقّت نہیں ہونی چاہیئے خواہ ملک میں مہنگائی ہو خواہ نہ ہو۔ روزگار کا مقصد یہ ہے کہ آدمی باعزت طور پر حلال روزی کے ذریعے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال سکے اس کو رشوت نہ لینی پڑے اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ میں حیدرآباد میں تھا تو وہاں کونسلروں نے کہا کہ دیکھئے جناب حکومت نے یہ نہیں کیا حکومت نے وہ نہیں کیا۔ ہمارے گاؤں میں پانی فراہم نہیں کیا اور اسی طرح کی اور باتیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ دیکھئے جناب حکومت تو آپ ہیں۔ حکومت میرے اختیار میں نہیں اور نہ کہیں آسمان سے اتری ہے۔ اب آپ حکومت ہیں۔ اسی طرح اب راولپنڈی شہر اور راولپنڈی ضلع کی حکومت اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ اس کو صحیح معنوں میں چلائیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے۔ سیاسی پارٹیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ آپ کے انتخابات نہ ہونے پائیں۔ انہیں بلدیاتی انتخابات سے بہت تکلیف تھی۔ اس کا ذکر

میں پہلے بھی کر چکا ہوں اور خود آپ کو بھی یہ معلوم ہے۔ اسی لئے ہم نے یہ انتخابات بغیر پارٹی کے کروائے تاکہ عوام صحیح معنوں میں ایسے نمائندوں کو چن سکیں جن کا کردار اعلیٰ ہو دماغ روشن ہو جن کے اطوار اسلامی نظریے کے مطابق ہوں جو پڑھنا لکھنا بھی جانتے ہوں جن کے دل میں درد ہو اور لوگوں کی خدمت کرنا چاہتے ہوں۔ لوگوں کی خدمت کرنے میں جہاں فضیلت حاصل ہوتی ہے وہاں تکالیف بھی آتی ہیں۔ اور اگر توقع یہ ہے کہ میں گھر بیٹھے روپے کماؤں گا یا صبح سے شام تک عیش کروں گا لوگ میرے در پہ آکر سلام کریں گے تو یہ خیال غلط ہے اس لئے آپ اپنے آپ کو یہ سمجھیں کہ آپ اصل حاکم ہیں اور لوگوں کی تکلیفوں کو دور کرنا اور ان کی خدمت کرنا آپ کا فرض ہے۔ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے خواہ صوبائی حکومتیں ہوں خواہ مرکزی حکومت ہو ہم نے تہیہ کر رکھا ہے کہ ان اداروں کو قائم کریں گے اور مضبوط سے مضبوط تر بنائیں گے۔ حیدرآباد میں میں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آئندہ قیادت انہی اداروں میں سے ابھرے۔ انہوں نے بڑی تالیاں بجائیں میں سمجھا کہ میری بات پر خوش ہوئے لیکن جب جلسہ ختم ہوا تو ایک صاحب میرے پاس آئے اور پوچھا کہ جناب آپ ہم میں سے وزیر کب لے رہے ہیں۔ میں نے کہا میرا تو ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہنے لگے آپ نے کہا ہے کہ آئندہ قیادت یہیں سے آئے گی۔ میں نے عرض کیا حضور اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں آپ حضرات کو وزیر بنا رہا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قوم کو اس وقت نئی اور جوان قیادت کی ضرورت ہے اور جوان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پندرہ سال کی عمر ہو اس کا مطلب ہے کہ دل میں جذبہ ہو دماغ میں ابج ہو ایسی قیادت کی ضرورت ہے۔ ایسی قیادت کا ہمارے ہاں فقدان ہے۔ ایسی قیادت آسمان سے تو نہیں اترے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ضرور چاہیئے لیکن قیادت یہی زمین سے ابھرے گی۔ اس ضلع اس قصبہ کے لوگوں نے آپ کو چنا ہے مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے کچھ لوگ اپنے اچھے کاموں کی وجہ سے اتنا ابھریں گے کہ آئندہ لوگ انہیں اس سے بڑی ذمہ داریاں سونپیں گے۔ میرا مطلب ہے قیادت انہی اداروں سے ابھرے گی۔ آج سے

چالیس پچاس برس کی تاریخ دیکھ لیجئے اس وقت کے سیاستدانوں کی روایت تھی (میرا اپنا طریقہ اور میرے اپنے خیالات کچھ اور ہیں) کہ جو شخص عوام کی خدمت کی خاطر سیاست میں داخل ہوتا تھا وہ اسی طرح میونسپل کمیٹی یا ڈسٹرکٹ کونسل کا ممبر ہوا کرتا تھا اور انہی میں سے لوگ ابھر کر اوپر گئے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب پاکستان بنا اس وقت ہندوستان میں تین پشتیں ایسی تھیں جو اس قسم کے تجربات سے واقف تھیں لیکن ہمارے ہاں بدقسمتی سے قائدِاعظم اور قائدِ ملّت کے بعد قیادت بکھر گئی۔ وہ روایت برقرار نہ رہی۔

حیدرآباد میں مَیں نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ اسلام کہتا ہے کہ علم حاصل کرنا فرض ہے۔ میرا اور آپ کا یہ فرض ہے کہ ہم علم کو رائج اور فائز کریں۔ آج سے چالیس سال پہلے آپ نے سنا ہوگا کہ مسلمانوں میں ۵۵ فی صد لوگ پڑھے لکھے تھے جو عربی فارسی اور اردو سے واقفیت رکھتے تھے آج چالیس سال بعد ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ہمارے ہاں شرح خواندگی ستّر اسّی فی صد ہوتی لیکن اس وقت یہ شرح ۲۵ فی صد ہے۔ یہ شرم کی بات ہے۔ ایک طرف تو ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اسلام کیسے لائیں اور دوسری طرف لوگوں کو نماز تک نہیں پڑھنی آتی۔ آپ قرآن کیسے پڑھیں گے۔ بعض لوگ قرآن پڑھ لیتے ہیں بغیر سمجھے اور سمجھتے ہیں بڑی کمائی کر لی یہ کافی نہیں۔ چلیئے یہیں سے شروع کریئے قرآن پڑھیئے اور پڑھایئے، نماز پڑھئے اور پڑھایئے اس سے کردار کی تعمیر بھی ہوگی اور علم کا چرچا بھی۔ جب تک ہمارے معاشرے میں کردار کی تعمیر کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی قیادت کا فقدان رہے گا اور ہماری مشکلات میں کمی نہیں آئے گی لیکن جونہی ہمارے دماغ اور دل اسلام کی طرف راغب ہوں گے آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مہربان ہوتے ہیں۔

ابھی تک میں نے سیاسی طریقۂ کار کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے نہ کچھ ارادہ ہے۔ لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ یہ ملک جس کو ہم اسلام کا قلعہ کہتے ہیں یہاں صحیح معنوں میں اسلامی

طریقے کے مطابق حکومت ہونی چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ضیاء الحق اپنے آپ کو خلیفتہ المومنین بنانا چاہتا ہے۔ میں تو آپ کا خادم ہوں اسلام میں جو خلفا گزر گئے ہیں، میں تو ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوں اور پھر یہ کہ جو شخص کہے کہ مجھے چن لو یا اپنے آپ کو مسلّط کرے اسلامی طریقے میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ اپنے میں سے کسی صالح آدمی کو چن لو جسے تم سمجھتے ہو کہ ذمہ داری سونپی جا سکتی ہے۔ وہ اگر انکار کرے تو اس کو مجبور کرو کہ یہ ذمہ داری ہم تم ہی کو سونپتے ہیں اور تم خدا کے سامنے جواب دہ ہو گے کہ ہم نے تمہیں یہ کام سونپا اور تم نے ذمہ داری نہیں سنبھالی لیکن اگر میں باہر جا کر کھڑا ہو جاتا ہوں اور پکارتا ہوں کہ جناب مجھے ووٹ دیجئے اور دیگیں پکا کر دعوتیں کرتا ہوں تو یہ صحیح معنی میں ووٹ نہیں۔

حال ہی میں میں نے کہا ہے کہ کوئی الیکشن نہیں لیکن الیکشن ہوں گے اہم بات یہ ہے کہ اس سے پہلے ہمیں قوم کو اس ملک کو بنانا ہے۔ اس کام میں چھ ماہ لگتے ہیں ایک سال لگتا ہے دو سال لگتے ہیں یہ نہیں کہا جا سکتا۔ اب میں میعاد کبھی نہیں بتاؤں گا لیکن یہ بھی ہے کہ میں ہمیشہ نہیں بیٹھوں گا نہ میں اپنے آپ کو کسی پر ٹھونس سکتا ہوں۔ نہ فوج کو زیادہ عرصہ کے لئے ان کاموں میں ملوث رکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے کوئی طریقۂ کار اختیار کرنا ہو گا اور میرا خیال ہے یہ طریقہ کار نظریہ اسلام کے مطابق ہونا چاہیئے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ میری ذمہ داریوں میں میری مدد کریں گے۔ میرے لئے دعا کریں گے اور جتنا میرے اختیار میں ہے میں آپ کی مدد کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کامیاب کرے اور صحیح معنوں میں لوگوں کا خادم بنائے۔

پاکستان پائندہ باد

ہیوی ری بلڈ فیکٹری، ٹیکسلا کے افتتاح کے موقع پر خطاب

۲۸ نومبر ۱۹۷۹ء

۲۸ نومبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ٹیکسلا میں پاکستان کی پہلی ہیوی ری بلڈ فیکٹری کا افتتاح کرتے ہوئے اسے دفاع کے شعبے میں خود کفالت کے لئے حکومت کی کوششوں میں ایک اہم سنگِ میل قرار دیا۔

پچاس ہزار مربع میٹر رقبے پر پھیلی ہوئی یہ فیکٹری عوامی جمہوریہ چین کے تعاون سے ساڑھے تین سال میں مکمل ہوئی تھی۔

خطاب سے پہلے صدر نے فیکٹری کا معائنہ کیا اور اس کے کئی حصے دیکھے۔ فیکٹری میں تیار شدہ ایک ری بلڈ ٹینک بھی صدر نے دیکھا۔

افتتاحی تقریب میں وفاقی وزیرِ خزانہ جناب غلام اسحاق خان، صدر کے مشیر برائے امورِ خارجہ مسٹر آغا شاہی، پاکستان میں چین کے سفیر جناب سُو اِی سِن اور اعلیٰ فوجی اور سول حکام نے شرکت کی۔

چینی سفیر نے اپنی تقریر میں فیکٹری کی تکمیل پر چینی حکومت، چینی عوام اور چینی سفارت خانے کی طرف سے صدر ضیاء الحق اور پاکستانی عوام کو مبارکباد دی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے دوست کی حیثیت سے چینی عوام بھی پاکستان کی اس کامیابی پر انتہائی خوش ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دنیا جانتی ہے کہ پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین انتہائی قریبی دوست اور پڑوسی ہیں اور دونوں ملک بالادستی اور توسیع پسندی کے خلاف جدوجہد میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ چینی سفیر نے کہا کہ پاک چین دوستی کوہ ہمالہ اور قراقرم کی طرح ہمیشہ قائم و دائم رہے گی۔

فیکٹری کے ڈائریکٹر جنرل نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے فیکٹری میں تیار ہونے والی مشینری اور آلات و سامان کی تفصیل بتائی اور چینی ماہروں اور کارکنوں کا شکریہ ادا کیا۔

فیکٹری کے افتتاح کے بعد صدرِ مملکت نے راولپنڈی روانہ ہونے سے پہلے چینی سفیر سے باتیں کرتے ہوئے بتایا کہ چینی فنی ماہروں کی جس ٹیم نے فیکٹری کی تعمیر و تکمیل میں حصہ لیا ہے اس کے لیڈر کو ستارۂ قائدِ اعظم اور ان کے ماتحت کام کرنے والے یونٹوں کے سربراہوں کو ستارۂ خدمت کا اعزاز دیا جائے گا۔

صدرِ مملکت نے فیکٹری کے افتتاح کی یادگاری تختی کی نقاب کشائی بھی کی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

پاکستان میں چینی سفیر جناب سُوایِ سن،
چینی ماہرین و کارکن،
جناب میجر جنرل شبیّر حسین شاہ،
پاکستانی افسران اور عملے کے ارکان اور
معزّز خواتین و حضرات!

السلامُ علیکم ۔ آج ہیوی ری بلڈ فیکٹری کا افتتاح کرتے ہوئے مجھے انتہائی خوشی ہو رہی ہے ۔ اس مسرت کے کئی اسباب ہیں ۔ ایک سبب یہ ہے کہ اس فیکٹری کا تعلق ٹینکوں سے ہے جن کے ساتھ میری زندگی کے پینتیس سال گزرے ہیں ، دوسری وجہ یہ ہے کہ اپنے ہی ملک میں ٹینکوں کی مرمت اور اوورہالنگ OVERHAULING ہونے سے ہم اس شعبے میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہیں ۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ اس فیکٹری کے قائم ہونے سے اس خاص شعبے میں مزید ترقی اور پیش قدمی کی راہ ہموار ہو گئی ہے ۔

اس تقریب میں شرکت کرنے سے پہلے میں فیکٹری اور اس سے ملحقہ رہائشی کالونی کا چکر لگا کر آرہا ہوں۔ میں نے فیکٹری کے مختلف حصے دیکھے اور ان میں ہونے والے کام کا جائزہ لیا۔ جب میں نے اس فیکٹری میں از سرِ نو تیار کئے گئے دو ٹینک TEST-TRACK پر دوڑتے اور ان کی توپوں کو فائر کرتے ہوئے دیکھا تو مجھے انتہائی خوشی ہوئی کیوں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس کامیابی سے نہ صرف ہمارے ماہرین اور کاریگروں میں خود اعتمادی بڑھے گی بلکہ دفاعی میدان کے ایک اہم شعبے میں خود کفالت کی بھی گنجائش پیدا ہوگی۔

چند سال پہلے تک پاک چین دوستی کی سب سے بڑی یادگار صرف "شاہراہ قراقرم" سمجھی جاتی تھی جو آج بھی بے شک باہمی تعاون کا سب سے بڑا شاہکار ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا۔ لیکن گزشتہ چند سالوں پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ اب کئی اور ایسے یادگار شاہکار تعمیر ہو رہے ہیں جن میں پاکستانی اور چینی ماہروں اور کاریگروں کی مشترکہ کوششوں کا دخل شامل ہے۔

اس فیکٹری کی تکمیل بھی پاکستانی اور چینی ماہرین کا کارنامہ ہے انہوں نے جس قلیل مدت میں کاغذی نقشوں کو اس عظیم الشان فیکٹری میں تبدیل کیا ہے وہ یقیناً قابلِ ستائش ہے۔ میں اس کامیابی پر چینی دوستوں، پاکستانی افسروں اور دونوں ملکوں کے کارکنوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس موقع پر جنرل شبیر حسین شاہ بھی خصوصی تعریف کے مستحق ہیں جن کی قیادت اور نگرانی میں یہ منصوبہ مقررہ وقت سے بہت پہلے مکمل ہوگیا ہے۔

پاک چین دوستی کئی سالوں اور ان گنت آزمائشوں سے گزر کر اب ایسی بنیادوں پر مستحکم ہو چکی ہے کہ اب کوئی خارجی عنصر اس میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتا۔ اس دوستی پر نہ صرف دونوں ملکوں کے عوام بجا طور پر فخر کرتے ہیں بلکہ کئی اقوام عالم بھی اسے رشک کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ ہم اس دوستی کو علاقائی اور عالمی امن کے لئے بنیادی اہمیت دیتے ہیں کیونکہ چین کی بڑھتی ہوئی طاقت عالمی امن کے فروغ اور اس علاقے کے استحکام کے لئے بہت ضروری ہے۔

میں اس موقع پر یہ بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے منصوبوں میں جن میں ٹینکوں کی حیاتِ نو یا کچھ نئے پرزہ جات بنانے کی تکمیل کا کام کیا جا رہا ہے، اس میں ہم کسی قسم کے جارحانہ عزائم نہیں رکھتے۔ ہم تمام ممالک خاص طور پر پڑوسی ممالک کے ساتھ دوستی اور امن چاہتے ہیں اور خیرسگالی کی موجودہ فضا کو فروغ دینے کے لئے مخلصانہ کوششیں کر رہے ہیں، لیکن ان کوششوں کے ساتھ ساتھ ہم اپنی دفاعی ضروریات کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتے۔ گزشتہ دو جنگوں میں جہاں ہمیں اور بہت سے تجربات حاصل ہوئے وہاں یہ سبق بھی ملا کہ دفاعی ضروریات کے لئے دوسرے ممالک پر غیر معینہ عرصے کے لئے انحصار کرنے سے ملکی مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ہماری کوشش ہے کہ دوسرے شعبوں کی طرح دفاعی میدان میں خودکفالت کی کوششیں تیز کی جائیں تاکہ ہم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عوامی جمہوریۂ چین نے ہماری نہایت فیاضانہ مدد کی ہے۔ جس کا ایک اور ثبوت یہ فیکٹری ہے جہاں ٹینکوں کو کھول کر دوبارہ جوڑنے اور انہیں حیاتِ نو دینے کی تمام سہولتیں میسّر ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ فیکٹری ہماری اسلحہ سازی کی کوششوں میں اہم سنگِ میل ثابت ہو گی۔

جناب شبیر حسین کی تقریر اور عوامی جمہوریۂ چین کے سفیر کے فیاضانہ الفاظ کے بعد میرے لئے اس موضوع پر اور کچھ کہنا مبالغہ آرائی پر منحصر ہو گا۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ صرف ان نکات پر توجہ دی جائے جن سے ہم مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس فیکٹری کے بنانے میں چین نے نہ صرف دوستی کا ثبوت دیا ہے بلکہ پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے یہ ایک بہت اہم قدم بھی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ اس مدد سے ہم بھرپور استفادہ کریں گے۔

میں اس موقع پر تمام چینی بھائیوں کا اور خاص طور پر حکومتِ چین کا شکریہ ادا کرنا چاہتا

ہوں اور نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ آپ حضرات کی طرف سے، پاکستانی فوج کی طرف سے اور تمام پاکستانیوں کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

معزّز حاضرین! یہ بات باعثِ اطمینان ہے کہ اس فیکٹری کی تکمیل کے ساتھ یہاں ایک رہائشی کالونی بھی تعمیر کی گئی ہے جس میں سکول، میڈیکل کلینک، پارک، کھیل کے میدان اور دوسری سہولتیں میسّر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کارکنوں کی صلاحیّتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی بنیادی ضرورتیں احسن طریقے سے پوری کی جائیں۔ مجھے یقین ہے کہ جو سہولتیں یہاں مہیا کی گئی ہیں ان کی بدولت یہاں کام کرنے والوں کی استعداد بڑھے گی۔

جنرل شبیر حسین شاہ نے یہاں دیگر سہولتیں مہیّا کرتے وقت عبادت کی ایک مرکزی جگہ بھی مہیّا کر دی ہے۔ یہ مسجد فیکٹری کے بالکل سامنے ہے اور یہاں کام کرنے والے جب ہر روز اس فیکٹری میں داخل ہوں گے تو انہیں ضرور خدا کا گھر بھی دکھائی دے گا جو انہیں اپنے فرائض پوری دیانت داری، لگن اور محنت سے انجام دینے کی یاد دہانی کراتا رہے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ اس دیانت داری، محنت اور لگن سے اس فیکٹری کی پیداوار میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

میں اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے عوامی جمہوریۂ چین اور اس کے عظیم قائدین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس اہم منصوبے کو مکمل کرنے میں قابلِ قدر امداد دی۔ میں خاص طور پر جناب وانگ چیان اور ان کے رفقاء کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس منصوبے میں ذاتی دلچسپی لی اور اسے بہت کم عرصے میں مکمل کیا۔ میں اس کارنامے پر پاکستانی افسروں، ماہروں اور کارکنوں کو بھی شاباش دیتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ جس تیزی اور تندہی کے ساتھ اس فیکٹری کو تیار کیا گیا ہے اسی جذبۂ خدمت

کے ساتھ اسے جاری رکھا جائے گا اور یہاں کام کرنیوالے ملکی دفاع کو مضبوط تر بنانے کے سلسلے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ میری دعائیں اور نیک تمنّائیں ان کے ساتھ ہیں۔

پاک چین دوستی زندہ باد
پاکستان پائندہ باد

ہیوی ری بلڈ فیکٹری ٹیکسلا میں کارکنوں سے خطاب

۲۸ نومبر ۱۹۷۹ء

۲۸ نومبر ۱۹۷۹ء کو ہیوی ری بلڈ فیکٹری ٹیکسلا کے افتتاح کے بعد صدر مملکت نے فیکٹری ورکرز کے ایک بڑے اجتماع سے بھی مختصر خطاب کیا اور انہیں محنت سے کام کرنے پر شاباش دی۔ اپنی مختصر تقریر میں صدر مملکت نے فیکٹری ورکرز کے ویلفیئر فنڈ میں حکومت پاکستان کی طرف سے ایک لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان بھی کیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

کارکنان ہیوی ری بلڈ فیکٹری،

السلام علیکم ۔ میں آپ کو اس فیکٹری کی کامیابی اور اس کے تکمیلی مرحلے کو احسن طور پر مکمل کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں ۔ میں نے اپنی افتتاحیہ تقریر میں ذکر کیا ہے کہ ہمیں اپنی کاوشوں اور محنت پر خوش ہونا چاہیئے اور اس پر فخر بھی کرنا چاہیئے ، لیکن اس قسم کے منصوبے صرف اپنی طاقت ، قوت یا ارادے سے مکمل نہیں ہوتے ۔ اس کے لئے کسی دوسرے کی مدد کی بھی ضرورت ہوتی ہے ۔ جس طرح ہم پاکستان میں شاہراہ قراقرم پر فخر کرتے ہیں ۔ اس شاہراہ کے بنانے میں ہمیں اپنے چینی دوستوں کی مدد حاصل رہی اسی طرح ایک اور منصوبہ پراجیکٹ ۷۱۱ ہے جس میں ہمیں چینی عوام اور حکومت چین کی طرف سے مدد نہ ملتی تو ہم اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکتے ۔ آج اسی مدد کا نتیجہ ہے کہ ہم اس منصوبے کو مکمل کرنے کے بعد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہیں ۔

میں اپنی طرف سے اور آپ کی طرف سے عوامی جمہوریۂ چین کے سفیر صاحب کا شکریہ

ادا کرتا ہوں۔ میں اس موقع پر دو چیزوں کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ جس چیز کی ابھی نقاب کشائی ہوئی ہے، میں چاہوں گا کہ اس کا ایک ماڈل بنا کر، اسے پاکستان پراجیکٹ ۱۱۷ اور میری طرف سے اپنے چینی بھائیوں کو پیش کیا جائے جنہوں نے جناب وان ییان کی قیادت میں ہماری مدد کی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس فیکٹری کے ورکرز کے ویلفیئر فنڈ کو تھوڑا سا مزید بڑھانا چاہیئے۔ میں ورکرز کی ویلفیئر کے لئے حکومت پاکستان کی طرف سے ایک لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان کرتا ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

چوتھی کل پاکستان امراضِ قلب کانگرس سے خطاب

۳ دسمبر، ۱۹۷۹ء

۲ دسمبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت، جنرل محمد ضیاء الحق نے چوتھی کل پاکستان امراض قلب کانگرس کا کراچی میں افتتاح کیا۔

دو روزہ کانگرس میں خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے پاکستان کارڈیاک سوسائٹی کے سبکدوش ہونے والے صدر ڈاکٹر حفیظ اختر نے ملک میں مختلف نوعیت کے امراض قلب کے علاج معالجے اور قومی سطح پر ان کی روک تھام کی ضرورت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ تنہا کارڈیاک سوسائٹی یہ کام انجام نہیں دے سکتی، البتہ متعلقہ اداروں اور ایجنسیوں کے کام کو مربوط بنانے اور تیز تر کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

سوسائٹی کے نومنتخب صدر ڈاکٹر علی محمد نے بھی افتتاحی اجلاس میں تقریر کی اور کہا کہ سائنسدانوں اور ڈاکٹروں کو اس کانگرس سے پاکستان میں ہونے والی ریسرچ سے واقفیت حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔

پاکستان کارڈیاک سوسائٹی کے اعزازی صدر پروفیسر شوکت علی سید نے اپنی تقریر میں بتایا کہ پاکستان میں ہر ایک ہزار افراد میں سے ایک سو سے ڈیڑھ سو افراد تک ہائی بلڈ پریشر کے مریض ہوتے ہیں اور یہ مرض چھوٹے بڑے ہر طبقے کے افراد کو یکساں لاحق ہوتا ہے۔ انہوں نے اس خیال کی تردید کی کہ امراض قلب صرف امیر طبقہ کے لوگوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

کانگرس میں بعض غیر ملکی مندوبین نے بھی شرکت کی۔

افتتاحی اجلاس میں سندھ کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل ایس ایم عباسی، اٹارنی جنرل جناب شریف الدین پیرزادہ اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام کے علاوہ ممتاز ڈاکٹروں اور تحقیق کاروں نے شرکت کی۔

صدر مملکت نے اپنی تقریر میں امراض قلب اور اس سلسلے میں تحقیق اور علاج معالجے کے نئے طریقوں سے استفادہ کے ساتھ ساتھ دیسی طریقۂ علاج سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت کی طرف بھی توجہ دلائی۔

صدر نے کانفرنس کے مندوبین سے کہا کہ وہ خصوصاً بچوں میں عارضۂ قلب اور صنعتی ترقی کے صحت پر اثرات پر بھی توجہ دیں۔ صدر نے دیہی آبادی کے صحت کے مسائل پر مناسب توجہ دینے کی تلقین بھی کی اور یقین دلایا کہ حکومت کانفرنس کی سفارشات کو مناسب اہمیت دے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

جنرل شوکت علی سیّد،

مندوبینِ کانگرس،

ماہرینِ امراضِ قلب

اور

معزّز خواتین و حضرات!

السلامُ علیکم۔ مجھے "امراضِ دل" کے متعلق آج کی تقریب میں موجود سامعین سے "دلی" ہمدردی ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ امراض دل کے موضوع پر ایک ہی نشست میں چار تقریریں سُننا بہت "دل گُردے" کا کام ہے۔ پہلی تین تقریریں جو پروفیسر شوکت علی، ڈاکٹر حفیظ اختر اور ڈاکٹر علی محمد نے کیں۔ پیشہ ورانہ علم اور تجربے کا نچوڑ تھیں۔ میں جو تقریر کرنے والا ہوں وہ خالصًا غیر پیشہ ورانہ ہے جسے ہضم کرنا عام سننے والوں کے لئے انشاءاللہ آسان ہوگا۔ میں پاکستان کارڈیک سوسائٹی PAKISTAN CARDIAC SOCIETY کا شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے اتنی پرمغز تقریریں

سننے اور ایک عدد افتتاحی تقریر کرنے کا موقع فراہم کیا۔

اس جیسی پیشہ ورانہ تقریب کو محض سماجی تقریب سمجھنا سراسر زیادتی ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی تقریبوں کے ذریعے ماہرین کو مِل بیٹھنے اور مفید تبادلۂ خیال کرنے کا موقع ملتا ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ آج کی تقریب میں چند ترقی یافتہ ممالک کے مندوبین بھی موجود ہیں۔ ان کی شرکت سے نہ صرف اس تقریب کا وقار بلند ہوگا بلکہ اسے مفید تر اور نتیجہ خیز بنانے میں بھی مدد ملے گی۔

آج جیسی تقریبات میں عموماً بو علی سینا جیسے مسلمان حکماء کی بے مثال حکمت کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن اس عظمتِ رفتہ کا اعادہ صرف اسی صورت میں ہمارے لئے مفید ہو سکتا ہے جب اس سے ہمیں علم و فضل میں یکتائی حاصل کرنے کی ترغیب اور تحریک ملے۔

ابھی ابھی ایک تقریر میں گزشتہ بیس سالوں میں امراضِ قلب سے متعلق معلومات کو "EXPLOSION OF KNOWLEDGE" کا نام دیا گیا ہے اور دوسری تقریر میں دورِ حاضر کو امراضِ قلب کے "علاج کا عہدِ زریں" کہا گیا ہے ممکن ہے یہ سب درست ہو، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم نہ تو پوری طرح معلومات کے اس "EXPLOSION" کی زد میں آئے ہیں اور نہ اس "عہدِ زریں" کی سنہری کرنیں پوری طرح ہم تک پہنچی ہیں۔ ہم اب بھی امراضِ قلب کے انسداد اور علاج کے ابتدائی دور سے گزر رہے ہیں، اگرچہ ہمارے ہاں چند ماہرین نے خصوصی مہارت حاصل کر لی ہے، لیکن اب بھی ہمیں پیچیدہ امراضِ قلب کے لئے دوسروں کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ آج بھی ہر مریضِ قلب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ بیرونِ ملک علاج کرا سکے۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں ان بیماریوں کے تسلی بخش علاج کی جدید سہولتیں ابھی میسّر نہیں ہیں یا ان سہولتوں کے متعلق اہلِ پاکستان میں ابھی اعتماد پیدا نہیں ہوا۔ اس میں قصور ماہرین کا نہیں، اس میں بہت سے دوسرے اسباب کا بھی دخل ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ چند سال پہلے تک ہمارے ہاں امراضِ قلب کا کوئی قابلِ اعتماد

ہسپتال موجود نہیں تھا، اور حال ہی میں جو دو ادارے معرضِ وجود میں آئے ہیں وہ CARDIO VASCULAR INSTITUTE کراچی اور ARMED FORCES INSTITUTE OF CARDIOLOGY راولپنڈی ہیں۔ ان دونوں میں سے CARDIO VASCULAR INSTITUTE نسبتاً پرانا اور بہتر سہولتوں سے لیس ہے اور اس سے ہزاروں ضرورت مند فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن ان سہولتوں کو بہتر اور مؤثر بنانے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک حکومتِ پاکستان کا تعلق ہے، ہم قومی وسائل کے مطابق اس طرف پوری توجہ دے رہے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ رفتہ رفتہ ان تمام امراضِ قلب کا یہاں علاج ہو سکے جن کے لئے آج ہمیں بیرونِ ملک جانا پڑتا ہے کیونکہ اکثر اوقات مرض اتنی مہلت نہیں دیتا کہ مریض طویل سفر طے کر کے بیرونِ ملک جا سکے اور اگر مرض اجازت دے دے تو جیب اجازت نہیں دیتی کہ ہر مریض اس کے اخراجات کا متحمل ہو سکے۔

اپنے ملک میں یہ سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے بنیادی طور پر دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک متعلقہ معلومات اور فنی مہارت اور دوسرے جدید ساز و سامان۔ اگرچہ دورِ حاضر میں بہت سے ملک دل کی بیماریوں کا علاج کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن دیکھا جائے تو ان کا تعلق ایک طبقے یا جغرافیائی خطے سے ہے جسے "ترقی یافتہ" کہا جاتا ہے۔ معلومات تو ایک خاص حلقے یا خطے تک محدود ہیں، لیکن امراضِ قلب پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ امراضِ قلب سے متعلق معلومات کو چند ملکوں تک محدود رکھنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ ممالک تک پھیلایا جائے۔ یہ ایک کارِ خیر ہے جو جتنا پھیلے گا اتنا ہی پھیلانے والے اور مستفید ہونے والے کے لئے مفید ہو گا۔

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن W.H.O. جیسی بین الاقوامی تنظیموں کے علاوہ بعض ممالک اور خیراتی ادارے بنی نوع انسان کی صحت میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں، میں ان کی توجہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ جہاں جدید ٹیکنالوجی اور ماڈرن مشینوں کی اشد

ضرورت ہے۔ پاکستان خود معاشی اور سائنسی لحاظ سے ترقی کی ایسی منزل پر ہے جہاں اس کیلئے صدیوں کا سفر ایک چھلانگ میں طے کرنا ممکن نہیں۔ ہمیں یقیناً ان ملکوں کے تعاون، امداد اور راہنمائی کی ضرورت ہے جہاں امراض قلب کی جدید سہولتیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

امراضِ قلب کے پاکستانی ماہرین کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ ترقی یافتہ ممالک کی تحقیقات اور تجربات سے استفادہ کریں وہاں یہ بھی لازم ہے کہ اس سلسلے میں ہم دیسی طریقۂ علاج کو بھی یکسر نظر انداز نہ کریں۔ ماضی میں دیسی اور بدیسی طریقۂ علاج نہ صرف ایک دوسرے سے الگ بلکہ کسی حد تک ایک دوسرے کے حریف بھی رہے ہیں۔ پاکستان میں ہماری کوشش ہے کہ تمام مروجہ طریقوں کو سائنٹیفک بنیادوں پر منظم کر کے ہم آہنگ کیا جائے تاکہ ایک طریقۂ علاج کی خوبیاں دوسرے تک پہنچ سکیں۔ میرے ذاتی خیال میں شعبۂ صحت میں ہماری فلاح اسی پالیسی میں ہے۔

امراضِ قلب کے کئی پہلو ہیں جنہیں آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں لیکن ان میں سے دو کی طرف میں آپ کی خصوصی توجہ چاہتا ہوں۔ ایک بچوں کی بیماریاں، دوسرے صنعتی ترقی کے اثرات۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کئی بچے پیدائشی طور پر کسی نہ کسی عارضۂ قلب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں ابھی تک تحقیق اس منزل تک نہیں پہنچی کہ ایسے بچوں کی بروقت نشاندہی کر کے اس بیماری کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہونے سے روکا جا سکے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو بچے یہ بیماری لے کر پیدا ہوتے ہیں اسی کو ساتھ لئے فوت بھی ہو جاتے ہیں۔

پیدائشی بیماریوں کے علاوہ ویسے بھی بچوں کے امراضِ قلب خصوصی توجہ چاہتے ہیں کیونکہ بچوں کی ہارٹ سرجری ہمارے ہاں ابھی تک عہد طفولیت میں ہے۔ حال ہی میں ایک بچہ میرے نوٹس میں آیا جو دل کے مرض میں مبتلا تھا۔ میں نے وزارتِ صحت کو اس کے علاج کے لئے ہدایت کی۔ اندرونِ ملک ماہرین نے وزارتِ صحت کو رائے دی کہ بچے کے دل کے آپریشن کے لئے

کسی مغربی ملک کی طرف رجوع کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اب ایسے کئی بچے ہیں جو ایسی ہی بیماریوں میں مبتلا ہیں، لیکن ان کے والدین کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ بیرونِ ملک ان کا آپریشن کرا سکیں، نہ ہی حکومت تمام بچوں کے اخراجات خود برداشت کرسکتی ہے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ اپنے ماہرین اور اپنے ہسپتالوں کو جلد از جلد اس معیار پر لایا جائے کہ ہم پورے اعتماد کے ساتھ ایسے بچوں کا علاج اندرونِ ملک کر سکیں۔

بڑھتے ہوئے امراضِ قلب کی دوسری وجہ صنعتی ترقی بتائی جاتی ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ صنعتی ترقی کو بند کر دیا جائے تو امراضِ قلب خود بخود بند ہو جائیں گے، لیکن یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ صنعتی ترقی سے زندگی کی رفتار میں جو تیزی آتی ہے اور مشینی دور کے انسان کے اعصاب پر جو دباؤ بڑھتا ہے اس سے ٹینشن TENSION، ہائی پرٹینشن HYPER TENSION، بلڈ پریشر اور دوسری بیماریاں پروان چڑھتی ہیں۔ امراضِ قلب کے ماہرین کا صرف یہ کام نہیں کہ وہ دل کے مریضوں کا علاج کریں، بلکہ ان کا یہ فرض بھی ہے کہ وہ امراضِ قلب کے اسباب کی تحقیق کریں اور حتی الامکان ان کے سدباب کی کوشش کریں۔ میں توقع کرتا ہوں کہ آج کی کانفرنس میں شریک ماہرین اس طرف خاص طور پر توجہ دیں گے اور بیماریوں کے علاج کے ساتھ ساتھ ان کے تدارک کی بھی راہ تلاش کریں گے۔

ہماری ملکی آبادی کا ایک طبقہ خاص طور پر آپ کی توجہ کا مستحق ہے جسے عموماً بڑی بڑی کانفرنسوں میں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ میری مراد دیہی آبادی سے ہے جو ہماری کُل آبادی کا تقریباً ۸۰ فی صد ہے۔ وہاں امراضِ قلب کا علاج تو درکنار، عام بیماریوں کے علاج معالجے کی بھی خاطر خواہ سہولتیں میسر نہیں۔ حکومت ایک جامع منصوبے کے تحت دیہی علاقوں میں طبی سہولتیں پھیلانے کی کوشش کر رہی ہے لیکن مجھے اس منصوبے کی افادیت کے باوجود یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اس میں امراضِ قلب کے فوری علاج کا کوئی تسلّی بخش علاج موجود نہیں ہے۔ میرے خیال

میں اس کانفرنس کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیئے کہ کس طرح ملک کی دیہی آبادی کو یہ سہولت مہیّا کی جا سکتی ہے۔ میرے خیال میں اس کے فی الحال دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ یا تو شہروں میں کام کرنے والے ڈاکٹر اور ماہرین وقتاً فوقتاً دیہات کا دورہ کیا کریں یا دیہات میں کام کرنے والے ڈاکٹر شہروں میں آکر امراضِ قلب کے چھوٹے چھوٹے ریفریشر کورس کریں تاکہ وہ دل کے مریضوں کو فوری طبی سہولت مہیّا کرنے کے اہل ہو سکیں۔

مجھے اُمید ہے کہ اس کانفرنس میں ملکی اور غیر ملکی ماہرین جو مقالے پڑھیں گے، ان میں دوسری باتوں کے علاوہ ان پہلوؤں پر بھی توجہ دی جائے گی جن کا ذکر میں نے اپنی تقریر میں کیا ہے۔ اگر یہ کانفرنس مقالے پڑھنے کے علاوہ امراضِ قلب کے علاج اور سدِّباب کے لئے قابلِ عمل سفارشات مرتب کر سکے تو مفید ہو گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حکومت ان سفارشات پر پوری سنجیدگی سے غور کرے گی اور ان میں سے جو سفارشات ہمارے لئے قابلِ عمل ہوئیں انہیں ضرور عملی جامہ پہنایا جائے گا۔

میں ایک بار پھر پاکستان کارڈیک سوسائٹی کے صدر اور اراکین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے آج کی تقریب میں شرکت کا موقع دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کانگرس کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

کوئٹہ میں بلدیاتی اداروں کے ارکان سے خطاب

۴ دسمبر ۱۹۷۹ء

۴ دسمبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت، جنرل محمد ضیاء الحق نے گورنر ہاؤس کوئٹہ میں نومنتخب بلدیاتی کونسلروں اور سرکاری افسروں سے خطاب کیا۔

کوئٹہ میں قیام کے دوران صدر نے گونگوں اور بہروں کے ایک سکول کا دورہ کیا اور ادارے کے لئے ایک لاکھ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا۔ صدر نے زیرِ تعمیر بولان میڈیکل کالج کمپلیکس کا معائنہ بھی کیا۔ یہ منصوبہ نوّے ایکڑ سے زیادہ کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں میڈیکل کالج کے علاوہ پونے چھ سو بستروں کا ایک ہسپتال، طلبہ اور طالبات کے ہوسٹل اور عملے کے لئے رہائشی عمارتیں شامل ہیں۔ اس کمپلیکس کے دورے کے موقع پر صدر نے اعلان کیا کہ ایم، بی، بی، ایس فائنل کے امتحان میں اول آنے والے طالب علم اور طالبہ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے حکومت کے خرچ پر بیرون ملک بھیجا جائے گا۔

صدرِ مملکت نے کونسلروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بلدیاتی نظام کی کامیابی کا دارومدار خود آپ کی کارکردگی پر ہوگا۔ لہٰذا آپ لوگوں کی فلاح وبہبود اور ان کی خدمت کو ہر چیز پر فوقیت دیں۔ صدر نے لوکل کونسلوں کو عدالتی اختیارات دینے کا مقصد بتاتے ہوئے کہا کہ یہ اختیارات عوام کی خدمت کے لئے دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب سرکاری محکمے لوکل کونسلوں کے تجربے اور مشورے سے ترقیاتی پروگرام مرتب کریں گے تاکہ وسائل کو بہترین طریقے سے استعمال کیا جاسکے۔ صدر نے صوبے میں زراعت کی ترقی پر بھی زور دیا اور اعلان کیا کہ بلوچستان کے دو اضلاع میں سے ہر ایک میں سب سے زیادہ گندم پیدا کرنے والے دو دیہات کو دو ٹریکٹر بطور انعام دیئے جائیں گے۔

صدرِ مملکت اسی روز راولپنڈی واپس آ گئے۔ صوبائی گورنر لیفٹیننٹ جنرل رحیم الدین خان نے انہیں الوداع کہا۔ صوبائی چیف سیکرٹری اور دوسرے اعلیٰ حکام بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

معزّز حاضرین کرام!

السّلام علیکم ۔ میرا بلوچستان کا گزشتہ دورہ لوکل کونسلوں کے انتخابات سے ایک روز پہلے ہوا تھا۔ اس موقع پر میں نے انتخابات کے بارے میں اپنی ان توقعات کا اظہار کیا تھا کہ عوام انشاءاللہ ایسے لوگوں کو منتخب کریں گے جو اسلام سے محبت رکھنے اور ملک و قوم کے استحکام اور ترقی کے لئے بھرپور کوشش کرنے والے ہوں۔ الحمد للہ میری توقعات بڑی حد تک پوری ہوئیں اور میں آج ایسے لوگوں سے مخاطب ہوں جن میں عموماً یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ میں بلدیاتی انتخابات میں کامیابی پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور ان رائے دہندگان کو بھی قابلِ تحسین سمجھتا ہوں جنہوں نے آپ جیسے باکردار افراد کو اپنے نمائندوں کے طور پر منتخب کیا۔

انتخابات کے بارے میں کچھ شکایتیں بھی ہوئیں کہ بعض پولنگ اسٹیشنوں پر آپس میں کچھ اختلاف پیدا ہوئے اور کہیں کہیں بے قاعدگیاں بھی سننے میں آئیں۔ معاشرے میں ہر طرح کے اچھے بُرے افراد ہوتے ہیں، لیکن جب تک خیر کا پلڑا بھاری ہے شر کا سر نگوں رہے گا۔ اب

وقت آگیا ہے کہ انتخابات میں پیدا ہونے والی رنجشوں کو بھول کر باہمی تعاون کی فضا کو فروغ دیا جائے۔ جس سرگرمی اور دلچسپی سے عوام نے انتخابات میں حصہ لے کر آپ کو چنا ہے اس کے بعد قدرتی طور پر ان کی آپ سے توقعات وابستہ ہیں۔ عوام کی توقعات اپنے راہنماؤں سے ایسی ہوتی ہیں کہ وہ انہیں اپنے سے زیادہ باعمل دیکھنا چاہتے ہیں۔ ماضی میں کئی ممالک میں ایسا ہو چکا ہے کہ جب عوام نے لیڈروں کا کردار اپنی توقعات کے مطابق نہ پایا تو انہیں اقتدار سے ہٹا دیا۔ میں ایک عام بات کر رہا ہوں میرا اشارہ کسی خاص ملک یا لیڈر سے نہیں۔ مسلمان معاشرہ اس بارے میں کچھ زیادہ ہی حسّاس واقع ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا وہ واقعہ آپ سب جانتے ہیں جس میں ایک بدّو نے آپ کی بات سننے سے اس لیئے انکار کر دیا کہ اس کے خیال میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا لمبا کرتا ایک سے زیادہ چادروں کا بنا ہوا تھا جب کہ مالِ غنیمت میں ہر شخص کو صرف ایک ہی چادر ملی تھی۔

آج بھی لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ان کے لیڈر بے داغ کردار کے مالک ہوں اور وہ اپنے عمل سے اچھی مثالیں قائم کریں۔ اگر آپ ان کی توقعات پوری کر سکے تو عوام آپ کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اور اپنے دلوں میں جگہ دیں گے۔ عوام لیڈر منتخب کرتے ہیں اور لیڈر ملکی ترقی کی راہیں استوار کرتے ہیں۔ عوام اور لیڈروں کے درمیان جب اس قسم کا تعلق قائم ہو جائے تو ملک و قوم کو استحکام ملتا ہے۔ اپنی چودہ سو سالہ تاریخ پر اگر آپ ایک نظر ڈالیں تو آپ پر واضح ہوگا کہ جب انہیں مخلص قیادت میسّر آئی اور لیڈروں نے اپنے بے داغ کردار کی بدولت عوام کے دلوں پر حکومت کی تو مسلمانوں نے تاریخ کے روشن باب تحریر کیئے۔ اس کے برعکس جب یہ تعلق کمزور ہوا تو قوم بھی مجموعی طور پر کمزور ہو گئی۔ تاریخ کے یہ سبق اسی لیئے ہوتے ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھا کر اپنے مستقبل کی راہیں صحیح رخ پر متعیّن کی جائیں۔

لوکل کونسلوں کا نظام کم و بیش اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسانی معاشرے کی ریکارڈ شدہ

تاریخ — لوکل کونسلوں کے نظام کی نشاندہی قبل از مسیح میں بھی ہوتی ہے۔ دراصل لوکل کونسلو کا نظام ایک ریاست کے تصوّر سے بھی پہلے وجود میں آیا جو بعد میں ریاست کے قیام کی بنیاد ثابت ہوا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی جو ملک جمہوریت کے چیمپئن کہلاتے ہیں وہاں بھی لوکل کونسلیں ان کے سیاسی نظام کا ایک نہایت اہم جزو ہیں۔ لوکل کونسلوں کے ممبروں کو معاشرے میں سرکاری افسروں سے زیادہ باعزت مقام حاصل ہے حتیٰ کہ پارلیمنٹ کے اکثر ممبر وہ لوگ ہوتے ہیں جو متواتر کئی برس تک لوکل کونسلوں کے ممبر رہ چکے ہوتے ہیں۔ بعض ملکوں میں ایسے قوانین بنانے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ پارلیمنٹ کے ممبروں کے لئے یہ ضروری ہو کہ کم از کم ایک بار لوکل کونسل کے ممبر رہ چکے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت لوکل کونسلوں کی سطح پر پیدا ہوتی ہے اور اس کی ترقی اور نشوونما صوبائی اور قومی سطح کے قانون ساز اداروں یا پارلیمنٹ میں ہوتی ہے۔ جمہوریت کی ابتدا اگر عوام سے نہ ہو تو پھر ایسی جمہوریت صرف نام کی جمہوریت ہوتی ہے۔ اس میں نہ تو عوام کا حصہ ہوتا ہے اور نہ اس کے ساتھ ان کے دل دھڑکتے ہیں۔

قانون کے تحت لوکل کونسلوں کو کئی اختیارات دیئے گئے ہیں اور انہیں بھاری ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ آپ کی کارکردگی کے مظاہرے کے ساتھ ساتھ آپ کے اختیارات میں مزید اضافہ کیا جائے گا۔ دراصل اس سارے ڈھانچے کی کارکردگی کا دارو مدار آپ کی کارکردگی پر ہے۔ آپ کا خدمتِ خلق کا جذبہ اور آپ کا اخلاص جتنا بڑھے گا اتنے ہی آپ کے اختیارات بڑھتے رہیں گے۔ آپ کے ذمہ معاشرے کی مجموعی اصلاح ہے، انصاف کرنا ہے، عوام کا معیارِ زندگی بلند کرنا ہے، لوگوں کی فلاح و بہبود اور خدمت کرنا ہے۔ اگر آپ صحیح معنوں میں یہ راہ اپنالیں گے تو آپ دنیا اور آخرت دونوں میں سرخرو ہوں گے۔ لوکل کونسلوں کا سب سے اہم کام معاشرے میں صحیح اقدار کا پیدا کرنا ہے۔ ایسی اقدار جس میں خدا کا خوف اور بندوں کی خدمت شامل ہو۔

اس وقت معاشرے میں عمومی طور پر مادّہ پرستی بڑھ گئی ہے۔ جائز اور ناجائز طریقوں میں تمیز مٹتی جارہی ہے۔ نمائشی زندگی پُرکشش بن چکی ہے جس کی وجہ سے ناجائز کمائی اور اسراف کی بیماریاں پیدا ہوچکی ہیں ان کی اصلاح کے لئے زبردست مہم شروع کرنی ہوگی، لیکن ابتدا اپنے گھر سے کیجئے تو یہ اصلاحی قدم انشاءاللہ جلد ہی اپنی منزل کی طرف بڑھیں گے۔

کسی بھی ملک یا علاقہ کی ترقی کا دور ہمیشہ وہ زمانہ رہا ہے جب امن وامان کی صورت پُرسکون ہو اور ملک میں استحکام پایا جاتا ہو۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ بلوچستان کی حکومت لوکل کونسلوں کے ممبروں کو تحصیل اور ضلع کی سطح پر ایسی کمیٹیوں میں شامل کرنے کی تجویز پر غور کررہی ہے جو علاقے میں امن وامان کی صورت کو بہتر بنانے کی ذمہ دار ہوں گی۔ لوگ اپنی جان ومال کو محفوظ پائیں گے تو ترقیاتی کاموں میں حصہ لیں گے اور آپ کی توقعات سے بڑھ کر ملکی پیداوار بڑھانے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔

لوکل کونسلوں کو عدالتی اختیارات بھی اس نظریے کے تحت دیئے گئے ہیں کہ عوام اپنے چھوٹے موٹے مسائل، دور دراز کے فاصلے طے کرکے، کثیر اخراجات کے بعد حل کرانے کی مشکلات سے بچ جائیں اور جس قدر اور جہاں تک ممکن ہو انہیں ان کے گھروں کے نزدیک ہی انصاف مہیّا ہوجائے۔ یہ اختیارات آپ کو عوام کی خدمت کے لئے دیئے گئے ہیں۔ انہیں خدانخواستہ کسی قسم کے انتقام یا ذاتی یا خاندانی مفاد کے لئے استعمال نہ کیجئے اختیارات کے صحیح استعمال کے لئے آپ حکومت کے سامنے بھی جواب دہ ہیں اور اپنے ضمیر اور اپنے خدا کے سامنے بھی! مجھے اُمید ہے آپ مایوس نہیں کریں گے۔

تمام سرکاری محکمے اپنے تمام وسائل کے ساتھ لوگوں کی خدمت کے لئے ہیں۔ ماضی میں بعض محکموں کی کارکردگی بعض خامیوں کا شکار رہی ہے۔ ان خامیوں کی ایک بڑی وجہ یہ بھی کہ ترقیاتی منصوبہ بندی اور اس پر عمل درآمد میں عوام کے نمائندے شریک نہیں تھے۔

اب لوکل کونسلیں اس خلا کو پر کریں گی اور سرکاری محکمے ان کے تجربہ اور مشوروں سے ترقیاتی پروگرام مرتب کریں گے۔ حکومت کے وسائل بہر حال محدود ہیں۔ ترقیاتی کاموں میں لوکل کونسلوں کی شمولیت کا مطلب یہ ہے کہ جو وسائل ہمیں میسّر ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے اور تھوڑے خرچ سے زیادہ کام کئے جا سکیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حکومتِ بلوچستان ایسی تجاویز بھی تیار کر رہی ہے جن سے تمام محکمے اپنے سالانہ ترقیاتی پروگرام عوام کے نمائندوں کی منظوری سے مرتب کیا کریں گے۔

ملک کا اہم ترین مسئلہ خوراک میں خودکفیل ہونا اور زرعی پیداوار بڑھانا ہے۔ حکومت زمینداروں اور کاشت کاروں کی مدد کے لئے مختلف تجاویز کو عملی جامہ پہنا رہی ہے۔ ہماری ان کوششوں کے حوصلہ افزا نتائج سامنے آرہے ہیں۔ اس اہم اور نیک کام میں لوکل کونسلوں کا کردار بڑی اہمیّت رکھتا ہے۔ پانی کے ضیاع کو روکنا، وقت پر زمین کی تیاری، اچھے بیجوں کی کاشت، کھاد کا استعمال، مناسب زرعی آلات کا مہیا کرنا، فصل کی حفاظت، وقت پر کٹائی اور گوداموں میں صحیح طور پر محفوظ رکھنا اس کے بنیادی اجزاء ہیں۔ لوکل کونسلیں ان تمام موقعوں پر اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں اور حکومت کی طرف سے جو مراعات مہیّا کی جا رہی ہیں، انہیں عوام تک پہنچا کر حکومت اور عوام دونوں کی خدمت کر سکتی ہیں۔

بلوچستان کے سولہ ضلعوں میں ضلع کونسلوں کے علاوہ گیارہ میونسپل کمیٹیاں، چودہ ٹاؤن کمیٹیاں اور ایک سو چھہتّر یونین کونسلیں ہیں۔ بلوچستان کے تمام سرکاری محکموں کی یہ خصوصی ذمہ داری ہے کہ وہ ان دو سو سترہ اداروں کو قومی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنے میں پوری مدد کریں۔ اس وقت سرکاری محکمے جو کام کر رہے ہیں، وہ ایک مناسب مدت کے بعد بتدریج لوکل کونسلوں کے سپرد ہو جانے چاہئیں اور سرکاری محکموں کا کام ایک ماہر مشیر کی صورت میں تبدیل ہو جانا چاہیئے۔ لوکل کونسلیں اور سرکاری محکمے باہمی تعاون سے جب کام شروع کریں تو عوام کی بہبود اور خوشحالی

ان کے پیشِ نظر ہونی چاہیئے۔ سرکاری محکموں کو اختیارات کی تقسیم سے حسد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ انہیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ لوکل کونسلیں دراصل ان کے توسیعی ادارے ہیں۔ نئے مقامی ڈھانچے میں سرکاری محکموں کے ماہرین سے متعلقہ شعبوں میں تکنیکی مہارت کی زیادہ توقع کی جائے گی۔ انہیں زیادہ محنت کرنی ہوگی اور انہیں عوام کے نمائندوں کی توقعات پر پورا اترنا ہوگا۔

صوبہ بلوچستان کے دو اضلاع کے دو گاؤں جو سب سے زیادہ گندم پیدا کریں گے ان کو میری طرف سے دو ٹریکٹر بطورِ انعام دیئے جائیں گے جو وہاں کے لوگ اجتماعی طور پر امدادِ باہمی کے اصولوں پر استعمال کریں گے۔

پاکستان پائندہ باد

بیالوجی اور جنیٹکس کے تیسرے بین الاقوامی سیمپوزیم اور سائنس کے فلسفہ اور تاریخ کے موضوع پر بین الاقوامی کانگرس کے مشترکہ افتتاحی اجلاس سے خطاب

۸ دسمبر، ۱۹۷۹ء

۸ دسمبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت، جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام آباد میں بیالوجی اور جنیٹکس پر تیسرے بین الاقوامی سیمپوزیم اور سائنس کے فلسفہ اور تاریخ کے موضوع پر بین الاقوامی کانگرس کا افتتاح کیا۔ دونوں بین الاقوامی کانفرنسوں کا ایک ہی افتتاحی اجلاس ہوا تھا۔

وفاقی وزیر تعلیم، جناب محمد علی ہوتی نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے خاص طور سے ترقی پذیر ملکوں میں سائنسی تحقیق کی رفتار بڑھانے پر زور دیا۔ ہمدرد فاؤنڈیشن کے صدر حکیم محمد سعید نے اپنی تقریر میں اسلام اور سائنس کے درمیان مثبت تعلق کو واضح کیا اور کہا کہ پاکستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو مضبوط بنیادوں پر استوار ہونا چاہیئے۔

بیالوجی میں نئی ریسرچ کے موضوع پر بین الاقوامی سیمپوزیم میں بنگلہ دیش، بلغاریہ، کولمبیا، چیکوسلوواکیہ، وفاقی جمہوریۂ جرمنی، بھارت، پاکستان، فلپائن، پرتگال، اسپین اور امریکہ کے وفود نے شرکت کی۔ فرانس، پاکستان اور برطانیہ سے مبصرین بھی شریک ہوئے۔

یونیسکو کے تحت سائنس کے فلسفہ اور تاریخ کے موضوع پر منعقدہ بین الاقوامی کانگرس میں جن ملکوں کے وفود نے شرکت کی وہ یہ ہیں:۔

آسٹریلیا، بنگلہ دیش، فن لینڈ، فرانس، وفاقی جمہوریۂ جرمنی، یونان، ہانگ کانگ، ہنگری، بھارت، ایران، اٹلی، اردن، مراکش، پاکستان، سعودی عرب، اسپین، شام، سوئٹزرلینڈ، ترکی، برطانیہ، امریکہ اور سوویت یونین۔

مشترکہ افتتاحی اجلاس میں دونوں کانفرنسوں کے وفود، وفاقی وزرار، سفارتی نمائندے اور اعلیٰ حکام موجود تھے۔ افتتاحی اجلاس میں یونیسکو کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر عمادو ایم باؤ کا پیغام بھی پڑھ کر سنایا گیا۔

افتتاحی تقریب کے بعد صدر کے مشیر برائے طب اور ہمدرد فاؤنڈیشن، پاکستان کے صدر حکیم محمد سعید نے صدر ضیار الحق کو البیرونی بین الاقوامی کانگرس منعقدہ پاکستان ۱۹۷۳ء کی کارروائی پر مشتمل کتاب کی پہلی جلد پیش کی۔ یہ کتاب آٹھ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں سائنس کی تاریخ کے ماہرین کے ستّر سے زیادہ مقالے شامل ہیں۔

صدرِ مملکت نے اپنی افتتاحی تقریر میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی جدید ترقیات کا سائنسی تاریخ کے پس منظر میں جائزہ پیش کرتے ہوئے مندوبین کو اس طرف توجہ دلائی کہ سائنسی دریافتوں کا ایک ہولناک پہلو یہ بھی ہے کہ ان سے کرۂ ارض پر خود انسان کا مستقبل غیر یقینی ہو گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

وزیرِ تعلیم، جناب محمد علی خان ہوتی صاحب،
مشیرِ طب، جناب حکیم محمد سعید صاحب،
مندوبینِ گرامی ـــــ اور
معزّز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ ملکی اور غیر ملکی سائنسدانوں کے اس عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مجھے بے حد مسرّت محسوس ہو رہی ہے۔ یہ اجتماع دو اہم کانفرنسوں کے سلسلے میں منعقد ہوا ہے جس میں سے ایک "انٹرنیشنل کانگرس آف دی ہسٹری اینڈ فلاسفی آف سائنس" ہے اور دوسری INTERNATIONAL SYMPOSIUM ON BIOLOGY AND GENETICS ہے۔ ہمارے لئے یہ بات باعثِ اعزاز ہے کہ یہ کانفرنسیں یونیسکو، وزارت تعلیم، قائداعظم یونیورسٹی اور ہمدرد فاؤنڈیشن کے باہمی تعاون سے پاکستان میں منعقد ہو رہی ہیں۔ میں اس کانفرنس میں آپ سب کو خاص کر غیر ملکی مندوبین کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مجھے یقین

ہے کہ آپ جیسے صاحب علم و دانش آئندہ چند دنوں میں دیگر بڑے بڑے مسائل کے علاوہ ان مشکلات کا بھی جائزہ لیں گے جو پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک کو درپیش ہیں۔

ایک طویل عرصے تک ہم سائنسی ترقی کو تاریخ انسانی کی کہانی سمجھتے رہے ہیں اور ہمارا اعتقاد رہا ہے کہ بنی نوع انسان کو لاعلمی اور توہم پرستی سے نجات دلانے میں سائنس نے اہم کردار ادا کیا ہے، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ سائنسی ترقی نے جہاں طرح طرح کی ایجادات کے ذریعے انسانوں کے معیارِ زندگی کو بلند کیا ہے اور انسانی جسم کو کئی بیماریوں سے نجات دلائی ہے، وہاں سائنس کا یہ پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے بنی نوعِ انسان کو اجتماعی خودکشی کے بے پناہ وسائل بھی مہیا کئے ہیں۔ آج سے چونتیس سال پہلے ناگاساکی اور ہیروشیما پر جو گزری وہ اس وقت کے لحاظ سے بہت عبرتناک سانحہ تھا، لیکن جدید سائنس اور ٹیکنالوجی نے تباہی کے جو موڈرن ذرائع ایجاد کئے ہیں، وہ ماضی کے تجربوں سے کہیں زیادہ ہولناک ہیں۔ میرے خیال میں آج بنی نوعِ انسان کے سامنے بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اس کرۂ ارض پر بسنے والی ذی روح مخلوقات کو کس طرح سائنسی ترقی کے تباہ کن اثرات سے محفوظ رکھا جائے اور کس طرح اس کے مفید پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پھیلایا جائے۔

اگرچہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر اظہارِ خیال کا یہ موقع نہیں، لیکن ابھی میں نے جو بات کی ہے اس کی ایک مثال پاکستان کا ننھا منّا سا ایٹمی ریسرچ پروگرام ہے۔ بعض ترقی یافتہ ممالک جو ایٹمی توانائی سے مالامال ہیں، ہمارے اس پروگرام سے ناخوش ہیں کیونکہ وہ اپنی اجارہ داری میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہتے۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ نابالغ اور غیر ذمہ دار قوموں کو ایٹمی توانائی حاصل ہو جانے سے عالمی امن خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہے جب کہ ہمارا موقف یہ ہے کہ ہم ایٹمی توانائی پُرامن مقاصد کے لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ ایک

ایسا حق ہے جس سے ہمیں کوئی طاقت محروم نہیں رکھ سکتی۔ اگر ترقی یافتہ ممالک کے اندیشے ان کے اپنے مفادات کی عکاسی کرتے ہیں تو ہمارا عزم ہماری اپنی قومی امنگوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہم انشاء اللہ قومی امنگوں کے عین مطابق پُرامن مقاصد کے لئے ایٹمی توانائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور انشاء اللہ اس میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ اس سلسلے میں پاکستان پر جو دباؤ ڈالا جا رہا ہے وہ اسی سامراجی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے جس نے ماضی میں سیاسی لحاظ سے دنیا کے بیشتر حصوں پر حکمرانی کی تھی اور آج سائنسی اور علمی لحاظ سے اپنی برتری قائم رکھنا چاہتا ہے۔ یہ مسئلہ صرف پاکستان کی آزادی اور خود مختاری کا مسئلہ نہیں بلکہ اس میں بین الاقوامی اہمیت کا ایک اخلاقی اصول زیر بحث ہے جس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ علم و دانش، سائنس و ٹیکنالوجی اور دریافت و ایجادات کسی ایک ملک کی میراث نہیں۔ اس میں آگے بڑھنا ہر ملک کا بنیادی حق ہے۔ اس اجتماع میں موجود ممتاز سائنس دانوں کو اپنے شعبے سے متعلق ان اخلاقی پہلوؤں پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔

پاکستان میں منعقد ہونے والی ان دو کانفرنسوں کے حوالے سے ہمیں لفظ "سائنس" کو محض ٹیکنالوجی کے پس منظر کی بجائے وسیع تر مفہوم میں استعمال کرنا چاہیئے کیونکہ ان دونوں ہی کانفرنسوں کے موضوع الگ الگ ہونے کے باوجود باہم متعلق ہیں۔ ان میں ایک طرف حیاتیات اور جینیات کے مسائل ہیں تو دوسری طرف سائنس کی تاریخ اور فلسفہ زیر بحث ہیں۔ اس لئے میری بعض باتیں حیاتیات و جینیات سے متعلق ہوں گی اور بعض سائنس کے عمومی پہلوؤں سے۔

عمومی معنوں میں جو سائنسی صورت حال اس وقت ہمارے سامنے ہے وہ بے شک جدید یورپی تہذیب کی پیداوار ہے، لیکن اگر دیکھا جائے تو اس کی جڑیں قدیم تہذیبوں میں گڑی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آج سے کوئی ڈھائی ہزار سال قبل یونانیوں نے ایک

ایسا نظام ترتیب دیا تھا جس میں سائنسی فکر و عمل کا واضح ذخیرہ موجود تھا، لیکن بعدازاں کافی مدّت تک نہ تو یونانی فکر میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکا اور نہ منظم طریقے سے اس کے سائنسی مأخذ ہی کو سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ اسی طرح روم بھی مورخین و محققین کے لئے متضاد صورتِ حال کی عکاّسی کرتا ہے کیونکہ روم اپنے اعلیٰ حکومتی نظام، بہتر حفظانِ صحت کے اصولوں اور یونانی علوم سے رابطے کے باوجود کوئی معیاری سائنسداں پیدا کرنے میں قاصر رہا۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ بارھویں صدی میں اسپین، فلسطین اور دوسرے علاقوں میں مروّجہ اسلامی تہذیب نے یورپ سے دورِ جہالت کے خاتمے کے لئے اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کیا اور اسے انسانیت کی راہ پر گامزن کر کے انسانی بقا اور بہتری کے لئے اعلیٰ اخلاقی قدروں کی ضمانت دی۔ یہی وہ دور ہے جب انسان کو بے دلیلی اور وہم پرستی سے نجات ملی اور جدید سائنس کے اہم اصول وضع ہوئے۔ دراصل اسلامی ثقافت اور سائنس کے یورپی پرتو کے باہمی رشتے آج بھی عیاں ہیں۔ مثال کے طور پر دنیائے فطرت کے متعلق جو اصول یونانیوں نے وضع کئے تھے، اسلامی تہذیب نے انہیں اپنے اندر سمو لیا اور یورپ میں احیائے علوم کے بعد سائنس کی سرفرازی اور کامیابی اسی حوالے سے ممکن ہوئی۔

یورپ میں سائنس کی ترقی کی تاریخ صرف پانچ سو سال ہے۔ یہ دور ذہنی اور صنعتی انقلابات کا نقطۂ آغاز ہے۔ یہی وہ دور ہے جب سائنسدانوں نے اپنے آپ کو فنِ حرب سے متعلق صنعتوں کی تنظیم اور ریاستی بنیادوں پر چلنے والے تعلیمی نظام کے لئے وقف کر دیا۔ تحقیقات کے لئے سرکاری امداد فراہم کی جانے لگی اور ایجادات سے متعلق سائنس دانوں کو انعامات سے نوازا جانے لگا۔ اگرچہ ریاضی کو اس سائنسی دور میں فوقیت دی گئی، مگر جلد ہی ایسی سائنس کو بے مقصد اور ذریعۂ تعیش قرار دے کر رد کیا جانے لگا اور ڈارون کی تخلیقی فکر اور رُوسو کے تخیلات نے سائنسی تحریک کو "سائنس برائے انسان" کی معراج پر پہنچا دیا۔

صنعتی ریاست کی ترقی اور جدید شہری آبادیوں کی تشکیل بظاہر نئے سائنسی رجحانات اور افکار کو اپنے اندر جذب کر لینے کا نتیجہ ہے (اور ممکن ہے کہ مورخین اس نقطۂ نظر سے اختلاف کریں) لیکن یہ احساس کرنا ضروری ہے کہ اس موقع پر سائنس کے میدان میں مثبت رجحان کی اوّلین وجہ فلسفیانہ موشگافیوں سے اس کی علیٰحدگی تھی۔ بعض یورپی ممالک نے اگرچہ کئی سائنسی نظریات کو رواج دینے کی کوشش کی، لیکن اسلامی فلسفہ و فکر کی ہمدردیاں ہمیشہ سائنسی ترقی اور سائنس میں غیر جانبداری اور تحقیق میں خود مختاری کے ساتھ وابستہ رہی ہیں۔

بیسویں صدی میں سائنس نے بے شمار کامیابیاں حاصل کی ہیں، لیکن اس کے باوجود اخلاقی، سیاسی اور ماحولی مشکلات اب بھی انسانیت کا تعاقب کر رہی ہیں اور کچھ عرصہ سے سائنس کی سماجی اہمیت بحث و مباحثہ کا موضوع بنی ہوئی ہے۔ حال ہی میں چند مفکرین نے سائنس کے خلاف احتجاجی صدا بلند کی ہے۔ یہ مفکّر تباہ کن ٹیکنالوجی کی تحقیق میں سرمایہ کاری سے ناخوش ہیں اور وہ ان سائنسدانوں سے بھی اختلاف رکھتے ہیں جو صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کام تو تحقیق، دریافت اور ایجاد ہے، اس کے صحیح یا غلط استعمال سے ہمارا سروکار نہیں۔ ان کے خیال میں اس کی ذمہ داری ان لوگوں کو قبول کرنی چاہیئے جو ان کی مہیا کردہ سائنسی معلومات کو استعمال کرتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے صنعتی قوّت میں اضافہ اور معیشت کا فروغ قابل قدر ہے، مگر وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کے ترقی یافتہ سائنس داں اپنی ذمہ داریاں بھی محسوس کریں اور بہتر نگراں اداروں کی عدم موجودگی میں خود احتسابی سے کام لیتے ہوئے اس حقیقت پر غور کریں کہ آیا وقتی طور پر سائنسی تحقیق کو موجودہ ترقی تک ہی محدود رکھنا کافی نہیں ؟ کیا مزید سائنسی ترقی سے وہ انسانیت کو تباہی کے قریب تر لا رہے ہیں یا اسے مزید آسائش مہیا کر رہے ہیں۔ کیا "نامعلوم" کو "معلوم" کرنا ضروری ہے یا "معلوم" کو ان لوگوں

تک پہنچانا زیادہ ضروری ہے جو ابھی تک اس سے ناآشنا ہیں۔ میں انسانی ذہن کے ارتقا پر حد بندی کے خلاف ہوں، لیکن یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ترقی کی دوڑ میں ساری انسانی برادری کو شریک کرنا چاہیئے۔ یہ تفاوت بہر حال محلِ نظر ہے کہ ایک طرف تو چاند اور ستاروں کو مسخر کیا جارہا ہے اور دوسری طرف کروڑوں انسان بنیادی سہولتوں کو ترس رہے ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ سائنس کی تمام تر ترقی کے باوجود اب بھی اس کرۂ ارضی پر بسنے والے پینے کے پانی اور ابتدائی طبّی سہولتوں سے محروم ہیں، اب بھی ایسے لوگ حیات ہیں جن کے لئے دَورِ جدید کا سورج طلوع نہیں ہوا اور ان کے شب و روز ان کے مقدر کی طرح سیاہ ہیں۔ میرے خیال میں جہاں سائنس کو مزید ترقی دینے اور نئے افق سر کرنے کی ضرورت ہے، وہاں ان پسماندہ لوگوں کی طرف بھی توجہ دینا لازمی ہے۔

ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ سائنس کی بقا اور تہذیبی ارتقا باہم منسلک ہیں، مگر مستقبل کے لئے ہمیں ایسی تبدیلیوں کا اہتمام کرنا ہوگا جو انسانی بقا کے لئے انسان اور فطرت کے درمیان ایک توازن قائم رکھ سکیں۔ موجودہ حالات اس سمت میں فوری اقدامات کا تقاضا کرتے ہیں۔

انسان نے اپنی دریافتوں اور ایجادات کی وجہ سے جو عظیم ترقی کی ہے وہ قابلِ فخر اور قابلِ فہم ہے، لیکن جو بات سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ کہ ان دریافتوں سے کرّۂ ارض پر انسان کا اپنا مستقبل غیر یقینی ہوگیا ہے۔ فنی اور سائنسی ترقی نے کئی غیر حقیقی مفروضوں کو جنم دیا ہے اور غلط طور پر یہ احساس پیدا کیا ہے کہ ہمارے وسائل لامحدود ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ نہ تو سائنس دانوں نے اور نہ ماہرینِ معاشیات نے اس رجحان کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی نہیں کہ تمام دستیاب وسائل کو کس طرح جلد از جلد استعمال میں لایا جائے، بلکہ حالات کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہم ان وسائل کو بہتر طور پر استعمال کرنا سیکھیں تاکہ یہ وسائل زیادہ سے زیادہ عرصے

تک بنی نوع انسان کے کام آسکیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ بڑھتی ہوئی آبادی کا دباؤ اور زمینی وسائل کا اندھا دھند استعمال، انسان کے لئے مہلک ثابت ہو سکتا ہے میرے نقطۂ نظر سے یہ کرۂ ارض ایسی اشیاء کا مجموعہ نہیں جنہیں بے دریغ استعمال کیا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ موجودہ نسل پر جو کرۂ ارض کا لازمی جزو ہے، یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کرۂ ارض کو انسانی سرگرمیوں سے پیدا ہونے والے خطرات سے محفوظ رکھے اور اس کے وسائل کو کفایت شعاری اور عدل کے ساتھ استعمال کرنے کی طرح ڈالے۔ اس کیلئے سائنس دانوں، خاص طور پر ترقی یافتہ ممالک کے سائنسدانوں کے نقطۂ نظر میں بنیادی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ حیاتیاتی علوم سے تعلق رکھنے والے سائنسداں، انسان اور فطرت کے رشتوں کو زیر بحث لاتے ہوئے اس موضوع پر بھی غور کریں گے۔

حیاتیاتی علوم سے متعلق سائنسدانوں کو مجھ سے بہتر علم ہوگا کہ آج بھی عالمی آبادی میں غذائیت کی کمی کے شکار لوگوں کی اکثریت ہے اس کے ساتھ ساتھ آبادی اور غذائیت کے باہمی تعلق میں جو عدم توازن پیدا ہو رہا ہے وہ بھی بہت پریشان کن ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اس وقت ترقی پذیر ممالک کی آبادی میں اضافے کی شرح ۲،۳ اور ۴ فی صد کے درمیان ہے اس حساب سے آئندہ سترہ سے تیس سالوں کے اندر اندر یہ آبادی دگنی ہو جائے گی۔ اس کے برعکس زرعی پیداوار کی شرح آبادی میں اضافے کی نسبت بہت کم ہے اگر یہی صورت حال قائم رہی تو اس صدی ہی میں قحط سالی انتہائی المناک صورت اختیار کر سکتی ہے چنانچہ یہ ضروری ہے کہ جدید علوم کو آبادی اور غذائیت کے درمیان اس دوڑ میں اس طرح استعمال کیا جائے کہ غذائیت کا پلڑا بھاری رہے ورنہ وہ وقت دور نہیں جب انسان، انسان کو کھانے دوڑے گا۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر موجودہ علم کو مؤثر انداز سے استعمال کیا جائے تو ہم کم از کم اس

صدی کے مسائل حل کر سکتے ہیں۔ حال ہی میں ہم نے چاول اور گندم کی پیداوار کے لئے جو قسمیں بنیادی تحقیق کے ذریعے پیدا کی ہیں، ان سے ان فصلوں کی پیداوار میں مثالی حد تک اضافہ ہوا ہے۔ اس نظری علم کی موجودگی میں حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مقامی زمینوں اور فصلوں کے انتظام، نئے بیجوں کی پرورش، حیوانات کی نشوونما، کھاد کے استعمال اور نقصان دہ کیڑے مارنے پر پوری توجہ دیں تاکہ وسائل اور آبادی کے درمیان توازن قائم رہ سکے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق آبادی میں اضافے کی ایک اکائی کے عوض وسائل میں چھ گنا اضافے کی ضرورت ہوتی ہے اور آج حالت اس کے برعکس ہے۔ اس خطرناک صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے موزوں اقدامات کرنا ضروری ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ جو سائنسداں اس موضوع سے متعلق ہیں وہ اس بارے میں مفید تجاویز پیش کریں گے۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ انسان کی ہر نسل اس کرّۂ ارض پر "قائدین" کا کردار انجام دیتی ہے اور اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے دور کی کارکردگی کے لئے جواب دِہ ہو۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ آنے والی نسلوں کے لئے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم ان تک اپنے دَور کا ورثہ بہتر سے بہتر حالت میں پہنچائیں۔

معزّز خواتین وحضرات!

اب میں آپ پر چھوڑتا ہوں کہ آپ انسان کے مستقبل کا خود جائزہ لیں اور ان خارجی و داخلی عوامل کا تجزیہ کریں جو حال اور مستقبل کے محققین کی سرگرمیوں کی وجہ سے پیدا ہو سکتے ہیں اور جن کا اثر انسانی بقا پر پڑ سکتا ہے۔

میں ان مذاکرات سے بہتر نتائج کی توقع رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ پاکستان کی سرزمین پر ہونے والے ان مذاکروں سے ایسی تجاویز سامنے آئیں گی جو مفید بھی ہوں گی اور قابلِ عمل بھی۔

میں ایک بار پھر غیر ملکی مندوبین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے طویل فاصلے طے کر کے ان کانفرنسوں میں شرکت کی زحمت فرمائی۔ میں یونیسکو کے حکام کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہ کانفرنسیں منعقد کرنے میں پاکستانی حکام کی مدد کی۔ ہمدرد فاؤنڈیشن کے چیئرمین حکیم محمد سعید کا شکریہ ادا نہ کرنا سراسر اخلاقی کوتاہی ہوگی کیونکہ آج کی افتتاحی تقریب اور دوسری مجالس کا اہتمام کرنے میں انہوں نے گہری دلچسپی لی ہے اور انہیں کامیاب بنانے کے لئے انہوں نے انتھک محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اسی طرح فعّال اور مستعد رکھے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے نمائندوں اور ممتاز صنعت کاروں سے خطاب

۱۳ دسمبر ۱۹۷۹ء

۱۳ دسمبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے گورنر ہاؤس میں لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے نمائندوں اور ممتاز صنعتکاروں سے ملاقات کی۔ اس موقع پر گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل ایم سوار خان بھی موجود تھے۔

صدرِ مملکت نے تاجر برادری کو یقین دلایا کہ حکومت صنعت کاروں، تاجروں اور برآمد کنندگان کی جائز مشکلات دور کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گی۔ انہوں نے اس توقع کا اظہار کیا کہ تاجر برادری بھی حکومت کے ساتھ بھرپور تعاون کرے گی۔

صدر کی تقریر سے پہلے لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے قائم مقام صدر نے اپنے ادارے کی طرف سے ایک یادداشت پیش کی جس میں نجی شعبہ کا اعتماد بحال کرنے اور ملک میں معاشی اور صنعتی سرگرمیوں کے احیاء کے لئے حکومت کے اقدامات پر شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

اجلاس میں گوجرانوالہ، راولپنڈی، فیصل آباد، لاہور اور ملتان کی تاجر برادری کے نمائندوں، قالین اور ٹیکسٹائل کی صنعت اور سٹاک ایکسچینج کے نمائندوں نے اپنی مشکلات تفصیل سے بیان کیں۔ صدر نے ان کی گزارشات کو توجہ سے سنا اور انہیں یقین دلایا کہ ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن قدم اٹھایا جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

معززحاضرینِ کرام !

السلام علیکم ۔ پنجاب چیمبر آف کامرس تاجر اور صنعتکار کمیونٹی کے دوسرے حضرات سے مل کر آج مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے آپ کی سفارشات مجھ تک پہنچ گئی ہیں جو اس وقت میرے پاس ہیں ۔ فیڈریشن آف پاکستان چیمبرز آف کامرس کے جناب عشرت علی سے ۔ دوسرے چیمبرز سے میرا رابطہ گہرا رہا ہے ۔ کراچی بزنس ایسوسی ایشن سے بھی ملاقات ہوتی رہتی ہے ۔ پنڈی اسلام آباد بھی لوگ آتے رہتے ہیں ۔ اس لئے آپ کے مسائل کا مجھے علم ہے اور ان کا مجھے احساس ہے لیکن ان کا ابھی ہم کوئی حل تلاش نہیں کر سکے ہیں ۔ آپ کے علم میں ہو گا کہ اس ماہ جب میں کراچی گیا تھا تو وہاں کاروباری معاملات کے بارے میں بڑی مفصل کانفرنس ہوئی تھی ۔ وفاقی حکومت کی طرف سے میں خود ، وزیرِ خزانہ ، وزیرِ تجارت اور سیکرٹری تجارت وہاں موجود تھے یہ حضرات آج بھی یہاں

موجود ہیں۔ اس کانفرنس کے بارے میں کچھ اطلاعات آپ تک پہنچ چکی ہوں گی۔

میں دو چار باتوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ حکومت کی باگ ڈور اس وقت میرے، جنرل سوار خاں صاحب اور جن دوسرے ارکان کے ہاتھ میں ہے وہ سب بھی آپ ہی کی طرح مخلص پاکستانی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ یقیناً آپ کی کوشش اور دلچسپی یہ ہے کہ صنعت و تجارت کو ترقی ملے اس میں آپ کا اپنا مفاد بھی ہے اور حکومت اور ملک کا بھی۔ حکومت کی بھی یہی کوشش ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ انسانی فطرت ہے کہ اس کا اپنے مفاد کی طرف زیادہ جھکاؤ ہوتا ہے اس لئے جب تک آپ کی اور حکومت کی سوچ میں ہم آہنگی نہیں ہو گی فیصلے نہیں ہو سکتے۔ ایک زمانے میں پاکستان میں صنعت کو ترقی دینے کے لئے ایک طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا۔ موجودہ حالات میں اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ نہ وہ صورتِ حال ہے اور نہ وہ تقاضے ہیں اور پھر بعض حدود کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ جو صنعت آپ آج لگانا چاہتے ہیں ملک پچیس سال تک اسکی ادائیگی زرِمبادلہ میں کرتا ہے۔ ایسی صنعت کا کوئی فائدہ نہیں۔ گزشتہ آٹھ دس سال کے دوران بیشتر ایسی ہی صنعتیں لگائی گئی ہیں۔

آپ نے سیکرٹری تجارت اظہار صاحب کا بیان پڑھا ہو گا۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ بتائیے درآمدات کو کس طرح کم کیا جائے۔ سامانِ تعیّش آ رہا ہے۔ فرج، ایئرکنڈیشنر اور کاروں کی بھرمار ہے۔ یہ سب کچھ زرِمبادلہ کے خرچ پر نہیں بلکہ گفٹ سکیم کے تحت آ رہا ہے۔ اتنی پابندی کے باوجود یہ حال ہے۔ جو ادھر سے نہیں آتا باڑہ سے آ جاتا ہے اس وقت ہمارے ادائیگی کے توازن میں جھکاؤ ہے وہ اس لئے نہیں ہے کہ درآمد آنکھیں بند کر کے کی جا رہی ہے۔ نوّے فی صد درآمد اس سامان کی ہے جس کی ہماری صنعت کو ضرورت ہے۔

جہاں تک کاروباری کمیونٹی کی توقیر کا سوال ہے مارشل لاء حکومت نے آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے ہم نے یہ نہیں کہا کہ آپ پاکستان کے خیر خواہ نہیں ہیں۔ میں ہر شخص کو ملک کا اتنا ہی خیر خواہ سمجھتا ہوں جتنا اپنے آپ کو سمجھتا ہوں۔ اس کے باوجود صنعت و تجارت میں اتنی ترقی نہیں ہوئی جتنی کہ امید تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ غیر یقینی حالات ہیں۔ جب تک استحکام نہیں ہوتا، جب تک بزنس مین کو یہ معلوم نہیں کہ اس نے یہاں آباد ہونا ہے یا آئرلینڈ جانا ہے یا مراکش میں فیکٹری لگانی ہے اس وقت تک وہ پیسے نہیں لگائے گا۔ میں آپ سے صرف یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ کے اندر پاکستانی خون ہے، پاکستان کی مٹی آپ کی تقدیر میں لکھی ہوئی ہے تو ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اگر دو فیکٹریاں آپ باہر لگاتے ہیں تو ایک چھوٹی سی دوکان یہاں بھی کھول لیجئے۔ یہاں آپ کو حق حلال کی روزی کمانے کی کھلی اجازت ہے۔ جب تک سیاسی استحکام نہیں ہوتا میرا کاروباری برادری سے کوئی گلہ نہیں۔ البتہ میں یہ درخواست ضرور کروں گا کہ آپ اس ملک کی ترقی میں ہماری مدد کیجئے۔ حکومت کو کچھ صلاح مشورہ دیجئے۔ جہاں تک انسانی ردِعمل کی بات ہے آپ کا ردّعمل وہی ہے جو ہو سکتا ہے۔ اگر ہماری قوم میں جذبہ قومیّت زیادہ ہو تو بات دوسری ہے۔ لوگوں کو اس بارے میں بھی شک و شبہ ہے کہ آیا ہم میں پاکستانی جذبہ ہے یا نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پاکستان کو قائم ہوئے ابھی تیس بتیس سال ہی ہوئے ہیں اور قوموں کی زندگی میں یہ عرصہ بہت کم ہوتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قوم بن ہی نہیں سکتی بلکہ اسے تو زبردستی اکٹھا کیا گیا ہے یہ تو کسی روز بکھر جائے گی لیکن جس آدمی کے پاس خون پسینے کی کمائی کا کروڑ دو کروڑ یا دس پانچ لاکھ روپیہ ہے میں اس سے یہ نہیں کہتا کہ آنکھیں بند کر کے ضیاءالحق کی گود میں پھینک دے۔ آپ لوگوں کو جو تکالیف ہیں انہیں دور کرنا حکومت کا فرض ہے۔ کاروباری برادری کو حق حلال کی کمائی کا موقع فراہم کرنا حکومت کا فرض ہے۔

آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ محنت کیجئے اور جائز منافع کمایئے۔

جہاں تک بیوروکریسی کا تعلق ہے ایک تو تیس بتیس سال کی عادات ہیں پھر کچھ باتیں ہمیں انگریزوں سے ورثے میں ملی ہیں اس سے کچھ اس قسم کا ماحول بن گیا ہے کہ ہم اس کو نہیں بدل سکتے۔ آئندہ آنے والی حکومتیں بھی اسے نہیں بدل سکیں گی۔ جب تک اس پورے ڈھانچے کو اٹھا کر نہ پھینک دیا جائے یہ کام مشکل ہے۔ اس میں کچھ ردّو بدل کر کے کچھ صحیح طریقہ پر لایا جا سکتا ہے لیکن ہمارا جو طریقۂ کار ہے اس میں انقلابی تبدیلی ممکن نہیں۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ طریقۂ کار اتنا سادہ اور آسان ہو اس میں زیادہ لوگوں کا ہاتھ نہ رہے جتنے مراحل کم ہوں گے اتنی ہی بدعنوانی کم ہو گی۔ ہمارے ملک میں بدعنوانی کتنی ہے آپ کو اس کا زیادہ علم ہو گا۔

قالین بافی کی صنعت کا میں ایک اجلاس کیا کرتا ہوں۔ پچھلے دو ایک ماہ سے نہیں ہوا۔ ہم نے انہیں کچھ سہولتیں دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کے نتائج بہتر برآمد ہوئے ہیں۔ قالینوں کی برآمد اور اس میں شک نہیں کہ دوسری برآمد میں بھی اضافہ ہوا ہے اس میں شک نہیں کہ آپ نے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اور سہولتیں دی جا سکتی ہیں لیکن بعض باتیں ممکن نہیں جن کی تفصیل کراچی میں غلام اسحاق خان صاحب نے بتائی تھی اس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ کاروباری برادری یہ سمجھنے لگی کہ وزیر خزانہ کچھ مدد نہیں دینا چاہتے۔ ایسا نہیں ہے۔ وزیرِ خزانہ کے بعد میں نے خود وضاحت کی تھی کہ حکومت کی پالیسی کیا ہے۔ جہاں تک مارشل لاء کا تعلق ہے ہم آپ کو ہراساں نہیں کرنا چاہتے۔ بعض اقدامات کی ضرورت تھی جو ہم نے کئے۔ بعض معاملات میں شاید کچھ اور سختی کی ضرورت ہو لیکن کسی صورت میں ہماری پالیسی یہ نہیں ہے کہ خصوصاً کاروباری برادری کو تنگ کیا جائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کاروباری برادری کو تحفظ ملے، حوصلہ افزائی ہو تاکہ نہ صرف برآمد میں اضافہ ہو بلکہ تجارت کا نظام بھی صحیح ہو۔

میں آپ حضرات کا ممنون ہوں کہ آپ نے بہت سی کارآمد باتیں بتائی ہیں۔ آپ کی طرف سے جو تجاویز آئی ہیں ہم ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے اور حکومت کے اختیار میں جو کچھ ہوگا وہ ہم انشاءاللہ کریں گے۔ بینکوں کے متعلق آپ نے جس بات کی نشاندہی کی ہے یہ ۱۹۷۷ء میں جب نیا نیا مارشل لاء لگا تھا اس وقت بھی کہا گیا تھا۔ پشاور میں مجھے یہ مشورہ دیا گیا کہ بنکوں کے صدر دفتر منتقل کر دینے چاہئیں اور ایک آدھ پشاور میں ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد پنجاب میں کہا گیا کہ ایک آدھ بنک کا مرکزی دفتر لاہور میں بھی ہونا چاہیئے۔ بلوچستان میں بھی ایسا ہی مطالبہ کیا گیا۔ مسئلہ آپ حضرات کا بنکاری کی سہولتوں کا ہے امریکہ کو دیکھئے کتنا بڑا ملک ہے پورا برّاعظم ہے۔ اگر ہر ریاست یہ کہے کہ جب تک وہاں بنک کا مرکزی دفتر نہیں ہوگا ترقی نہیں ہوسکتی تو کیسے کام چلے گا۔ جہاں تک بنکاری کی سہولتوں کا تعلق ہے تو گزشتہ سال ۱۹۷۸ء میں ہم نے زونل مینجروں کے اختیارات میں اضافہ کیا تھا۔ ہم اس چیز کا مزید جائزہ لیں گے کہ کس طرح آپ کو مزید سہولتیں مہیا کی جاسکتی ہیں تاکہ آپ کو کراچی نہ بھاگنا پڑے۔

دوسری بات لیبر پالیسی کے بارے میں ہے۔ یہ اس وقت ایک سب کمیٹی کے زیرِ غور ہے اور جہاں تک مجھے علم ہوا ہے اس میں آجر اور اجیر دونوں کے لئے توازن رکھا گیا ہے۔ جن باتوں کی آپ نے نشاندہی کی ہے جن باتوں کی طرف مزدور توجّہ دلاتے رہتے ہیں ان کا جائزہ لے کر ہم نے وہ باتیں پالیسی میں شامل کی ہیں جن میں ملک کا مفاد ہو۔ آپ دیکھیں گے کہ انشاءاللہ متوازن لیبر پالیسی آئے گی اور اس سے بہت سے فائدے ہوں گے۔

یہ محصول چونگی تو ہم نے ایک عرصہ سے بند کر دیا ہے۔ ذرا دیکھ لیجئے۔

لیٹرز آف کریڈٹ کے سلسلہ میں آج کل جو پابندیاں ہیں وہ اس لئے نہیں ہیں کہ

ہم آپ پر کچھ سختی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی وجہ زرِ مبادلہ کے ذخائر میں کمی ہے۔ یہ آپ کو سرکاری راز کی بات بتا رہا ہوں۔ آپ کے علم میں بھی ہوگا لیکن اس کا چرچا کرنے کی ضرورت نہیں حکومت کے پاس زرِ مبادلہ کے ذخائر میں کچھ کمی آگئی تھی جس کی وجہ سے ہم نے لیٹرز آف کریڈٹ پر پابندی لگا دی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حکومتِ پاکستان کے پاس سرے سے ذخائر ختم ہی ہو گئے۔ حکومت کے پاس عام ذخائر جو سونے کی صورت میں تھے وہ سات سو کروڑ روپے کے تھے ہم نے اس سونے کو نہیں بیچا البتہ دوسرے ذخائر میں کچھ کمی آگئی تھی۔ اب اللہ کے فضل و کرم سے کچھ حالت بہتر ہو گئی ہے اس سال کے آخر تک یا اگلے سال مارچ اپریل تک زرِ مبادلہ کے ذخائر کی حالت بہتر ہو جائے گی تو اس وقت تک کے لئے پابندی برقرار رہے گی۔ پھر بعض حضرات نے کچھ ناجائز فائدہ بھی اٹھایا ہے۔ مصنوعی دھاگہ کو دیکھیں۔ اس پر ہم نے پہلے پابندی لگائی تھی جو بعد میں اٹھالی۔ اتنا مصنوعی دھاگہ درآمد کر لیا گیا ہے کہ آئندہ دس سال کے لئے کافی ہوگا تو جو بعض ہمارے حضرات ہیں جو زیادتیاں کرتے ہیں ان کو کنٹرول کرنے کے لئے اور کچھ ذخائر کی کمی کو پورا کرنے کے لئے پابندی لگائی گئی تھی جیسے ہی حالت بہتر ہوئی ہم یہ پابندی اٹھالیں گے۔

انشورنس کے قوانین کے بارے میں میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہم ان پر نظرِ ثانی کریں گے۔

لاہور کے ہوائی اڈے کو ترقی دینے کی بہت ضرورت ہے۔ یہ آپ کے بتانے کی بات نہیں۔ یہ میرے علم میں ہے۔ یہ کام شہری ہوا بازی کے ادارے کا ہے پی آئی اے جس کا ایک حصہ ہے۔ ہوائی اڈوں کی ترقی شہری ہوا بازی کا کام ہے۔ پی آئی اے میں اتنی توسیع ہوئی کہ شہری ہوا بازی کا ادارہ ہوائی اڈوں کی ترقی میں اس کا ساتھ نہیں دے سکا۔ اب ہم نے شہری ہوا بازی کے ادارے کو کچھ فنڈز مہیا کئے ہیں۔ کراچی اور لاہور کے ہوائی اڈوں کو ترجیحی

بنیادوں پر ترقی دی جائے گی۔ جہاں تک شیڈز فراہم کرنے کی بات ہے میں شہری ہوابازی کے ڈائریکٹر کو فوری طور پر ہدایت کروں گا کہ کم ازکم لاہور کے ہوائی اڈے پر یہ سہولت جلد فراہم کی جائے تاکہ آپ کے قالین اور دوسرا سامان ضائع نہ ہو۔

ایکسپورٹ پراسیسنگ زون کی تجویز بڑی اچھی ہے تجارتی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لیا جائے گا اگر کچھ بہتری کی امید ہوئی تو اس پر ضرور عمل کیا جائے گا۔

انکم ٹیکس کا قانون چونکہ نیا بنا ہے اس لئے اس پر تنقید بھی ہو رہی ہے اور سفارشات بھی اس کے بارے میں آرہی ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ اس میں صنعت کاروں کے لئے رعائتیں ہونی چاہئیں لیکن اس میں بہت سے پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہوگا۔

بارہ کروڑ روپے جن کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جبیب بنک کے پاس پڑے ہیں اس کے بارے میں میں معلوم کروں گا کہ کیوں نہیں دیئے جارہے۔

پنجاب انڈسٹریل ایسٹیٹ اور راولپنڈی اسلام آباد انڈسٹریل ایسٹیٹ کے بارے میں میں جاکر معلوم کروں گا۔ سی ڈی اے کے چیئرمین سے بھی معلوم کروں گا چونکہ وہ پلاٹ تقسیم کرتے ہیں۔ آخر کیوں نہ ان لوگوں کو پلاٹ دیئے جائیں جو ان کے حقدار ہیں۔

ٹیکس ہالی ڈے کا ہم جائزہ لیں گے۔

ملتان میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کی شاخ میرے حکم سے کھولی جارہی ہے۔ میں انشاء اللہ دوبارہ گورنر صاحب سے بات کروں گا کہ اس کام میں جلدی کی جائے۔

طریقۂ کار کو آسان بنانے کی تجویز بڑی اچھی ہے میں صوبائی حکومتوں سے سفارش کروں گا کہ اس کو قطعی شکل دیتے وقت آپ کی نمائندگی بھی شامل ہو۔

انوسٹمنٹ پروموشن بیورو کو ہم اوورہال کر رہے ہیں۔ اس وقت اس ادارہ کی

کارکردگی بہتر نہیں ہے۔ اس کے اوورہال کرنے کے بعد انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ نہ صرف اس کی شاخیں پنڈی اور اسلام آباد میں بھی ہوں گی بلکہ اس کی کارکردگی بھی بہتر ہوگی۔

مشینری کی درآمد پر ڈیوٹی میں کمی کا جہاں تک تعلق ہے آپ کو معلوم ہے کہ کارخانوں کو متوازن اور جدید بنانے کے لئے جو مشینری درآمد کی جاتی ہے اس پر ہم نے پہلے ہی خاص رعایت دی ہوئی ہے۔ مشینری پر چالیس فی صد ڈیوٹی ہے۔ بعض قسم کی مشینوں کی تو ہم نے سرے سے ڈیوٹی معاف کر رکھی ہے۔ جہاں تک انفرادی معاملات کا تعلق ہے کہ آپ کوئی خاص چیز درآمد کرنا چاہتے ہوں تو ہم اس کا جائزہ لیں گے۔ مشینری کی درآمد پر جو چالیس فی صد ڈیوٹی ہے اس پر ہم آئندہ سال نظرِ ثانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ تو تھے آپ کے اہم نکات لیکن اصل مقصد یہ ہے کہ ہماری طرف سے انشاء اللہ کوشش یہی ہوگی کہ جتنی زیادہ سہولتیں آپ کو دی جا سکیں دیں۔ اور آپ سے ہماری توقع یہ ہے کہ آپ محنت کریں گے، صنعت کار اور تاجر اگر پوری کوشش کرتے رہیں اور حکومت کی طرف سے سہولت ملتی رہے تو انشاء اللہ جلد اس ملک میں ترقی ہوگی۔

میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے۔ بہت عمدہ تجاویز پیش کیں اور بڑے اچھے ماحول میں گفتگو ہوئی۔ شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

جمہوریۂ جبوتی کے صدر کے اعزاز میں دی گئی ضیافت کے موقع پر خطاب

۱۶ دسمبر، ۱۹۷۹ء

برادر افریقی ملک جمہوریۂ جبوتی کے صدر جناب حسن گولید اپتی دان اور ان کی بیگم ۱۶ دسمبر ۱۹۷۹ء کو پانچ دن کے سرکاری دورے پر پاکستان پہنچے تو اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر ان کا پرجوش استقبال کیا گیا انہیں ۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ تینوں مسلح افواج کے دستوں نے گارڈ آف آنر پیش کیا اور سلامی دی۔

اسی روز جمہوریۂ جبوتی کے صدر اور صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ رات کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے معزز مہمان کے اعزاز میں ضیافت دی۔ ضیافت میں تقریر کرتے ہوئے صدر ضیاء الحق نے برادر اسلامی ملک جمہوریۂ جبوتی کی اہمیت اور اس کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کا تفصیل سے ذکر کیا اور کہا کہ غیر جانبدار تحریک میں پاکستان کی شمولیت کی سرگرم حمایت کرنے والے ملکوں میں جمہوریہ جبوتی بھی شامل تھا۔ صدر ضیاء الحق نے کہا کہ پاکستان دنیا بھر کے مظلوم عوام کی حمایت کرتا ہے اور جنوبی افریقی عوام کی آزادی اور نجات کے لئے ہر ممکن امداد و تعاون کی پالیسی پر چلتا رہے گا۔

جبوتی کے صدر جناب حسن گولید اپتی نے جوابی تقریر میں کہا کہ پاکستان اور جبوتی دونوں قریبی اسلامی اتحاد کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عالم اسلام کی خوشحالی اور فلاح و بہبود کے لئے اسلامی کانفرنس اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ جبوتی کے صدر نے دنیا میں امن و سکون کا ایک نیا دور شروع کرنے کے لئے عالمی سطح پر افہام و تفہیم کی ضرورت پر زور دیا۔

جمہوریۂ جبوتی ۱۹۷۷ء میں ایک طویل جدوجہد کے بعد آزاد ہوا تھا۔ صدر جبوتی نے اپنے ملک کی آزادی اور خود مختاری کی جدوجہد میں پاکستان کی بھرپور حمایت و امداد پر پاکستانی عوام کا شکریہ ادا کیا

اور کہا کہ جس طرح آپ نے اور دوسرے ملکوں نے ہماری آزادی کی جدوجہد میں مدد دی ہے اسی طرح جنوبی افریقہ کے عوام کی آزادی کے لئے بھی تمام اقوام کی حمایت وامداد کی ضرورت ہے۔

ضیافت میں وفاقی وزراء، سفارتی نمائندوں اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام نے شرکت کی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

عالی مرتبت جناب حسن گولید اپتی دان،

ان کی رفیقۂ حیات محترمہ مادام اپتی دان،

غیر ملکی سفرائے کرام

اور

معزز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔

میں پاکستانی عوام، حکومتِ پاکستان اور اپنی جانب سے عالی مرتبت جناب حسن گولید اپتی دان، صدر جمہوریۂ جبوتی، ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کے وفد کے دوسرے ارکان کو پاکستان میں ان کی آمد پر خوش آمدید کہتا ہوں پاکستان اور جبوتی نہ صرف تیسری دنیا سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اسلامی اخوّت کے مضبوط رشتوں میں منسلک ہیں۔

پاکستان کے لئے جمہوریۂ جبوتی کی اہمیت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں بسنے

والوں کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے، اور مسلمان آبادی پر مشتمل یہ ملک بحیرۂ قلزم کے اہم علاقے میں واقع ہے۔ پاکستان کی طرح جبوتی بھی اقوام متحدہ، غیر وابستہ ممالک کی تحریک اور اسلامی کانفرنس کا ممبر ہے۔ اس کے علاوہ دونوں ممالک پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں پر خلوصِ دل سے یقین رکھتے ہیں اور ان اصولوں کو بین الاقوامی تعلقات میں بروئے کار لانے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے کے خواہش مند ہیں۔

جنابِ صدر!

ہم نہ صرف عالمِ اسلام بلکہ دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات کے خواہاں ہیں۔ ہم بڑی طاقتوں کی رقابتوں سے دور رہ کر اپنے عوام کی بہبود اور خوشحالی کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم سینٹو CENTO سے علیٰحدگی کے بعد غیر جانبدار ممالک کی تحریک میں شامل ہو گئے ہیں۔ جن ممالک نے اس تحریک میں پاکستان کی شمولیت کی بھرپور حمایت کی تھی اُن میں جمہوریہ جبوتی بھی شامل ہے جس کے لئے ہم آپ کے اور آپ کی حکومت کے ممنون ہیں۔

جنابِ والا!

پاکستان دنیا بھر میں مظلوم عوام کے موقف کی حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ پاکستان نے جنوبی افریقہ کے ان عوام کی بلاتامّل حمایت کی ہے جو اپنی آزادی اور نجات کے لئے جنوبی افریقہ اور رہوڈیشیا کی نسلی اور اقلیتی حکومتوں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ اقوامِ متحدہ میں پاکستان ان ملکوں میں سے ایک تھا جنہوں نے سب سے پہلے ہر رنگ اور ہر روپ میں ظاہر ہونے والے نسلی امتیاز کی مذمت کی تھی۔ نوعِ انسانی کے ضمیر اور وقار پر اس بدنما داغ کو مٹانے کے لئے آج تک جو قدم بھی اٹھایا گیا ہے، پاکستان نے ثابت قدمی کے ساتھ اس کی حمایت کی ہے۔ پاکستان نے جنوبی افریقہ اور رہوڈیشیا کی نسلی حکومتوں کے ساتھ

کوئی واسطہ نہیں رکھا ہے اور ہم اپنی اس پالیسی پر اس وقت تک عمل پیرا رہیں گے جب تک ان ممالک میں صحیح معنوں میں اکثریتی حکومتیں قائم نہیں ہو جاتیں، نمیبیا کی آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو جاتا اور جنوبی افریقہ سے نسل پرستی کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں ہو جاتا۔

پاکستان بحرِ ہند کو "امن کا خطّہ" قرار دینے اور اسے جوہری اسلحے سے پاک رکھنے کی کوششوں میں بہت سنجیدہ ہے۔ جنوبی ایشیا کو جوہری اسلحے سے پاک علاقہ قرار دینے کی پاکستانی تجویز دراصل بحرِ ہند کو "امن کا خطّہ" قرار دینے کی کوششوں کا ایک حصہ ہے۔ پاکستان امنِ عالم کی خاطر اپنی یہ کوششیں جاری رکھے گا۔ اگر مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ میں بھی جوہری اسلحہ سے پاک علاقے قائم ہو جائیں اور آسیان ASEAN کا علاقہ بھی امن اور غیر وابستگی کا خطّہ بن جائے تو اس سے بحرِ ہند اور اس کے پڑوسی علاقوں میں امن کے مقاصد کو بہت تقویت ملے گی۔

جنابِ صدر!

ہم بین الاقوامی تعلقات میں اسلامی اور ثقافتی تعلقات کے علاوہ بقائے باہمی اور مفادِ باہمی کو اوّلیت دیتے ہیں اور انہی اصولوں کی بنیاد پر جمہوریۂ جبوتی کے ساتھ تعلقات کو استوار کرنے کے خواہاں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری یہ کوششیں انشاء اللہ کامیاب ہوں گی۔

مہمانِ گرامی!

ہم نے آج کے مذاکرات کے دوران اہم معاملات پر مفید تبادلۂ خیال کیا ہے جس سے دونوں ملکوں کے درمیان باہمی تعاون کو فروغ دینے میں مدد ملے گی۔ ان مذاکرات میں ہماری یہ کوشش رہی ہے کہ ہم اپنے دوست ملک جمہوریۂ جبوتی کی زیادہ سے زیادہ ضروریات پوری کر سکیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کا موجودہ دورہ دوطرفہ تعلقات کے فروغ میں انشاء اللہ اہم سنگِ میل ثابت ہوگا۔

خواتین وحضرات : اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ روایتی طریقے سے نیک خواہشات اور تمناؤں کے اظہار میں میرا ساتھ دیں :

- صدر جمہوریۂ جبوتی عالی مرتبت حسن گولید اپتی دان کی صحت ومسرت کے لئے،
- ان کی اہلیہ محترمہ مادام اپتی دان کی صحت ومسرت کے لئے،
- جبوتی کے وفد کے دیگر ارکان کی صحت اور خوشحالی کے لئے،
- حاضرین محفل کی صحت اور خوشحالی کے لئے،
- جبوتی اور پاکستان کے عوام کی بہبود اور خوشحالی کے لئے

اور

- دونوں ملکوں کی بڑھتی ہوئی دوستی اور باہمی تعاون کے لئے !

جمہوریۂ جبوتی زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

پروفیسر عبدالسّلام کو "نشانِ امتیاز" کا اعزاز دینے کے موقع پر خطاب

۲۰ دسمبر ۱۹۷۹ء

۲۰ دسمبر ۱۹۷۹ء کو صدرِ مملکت، جنرل محمد ضیاء الحق نے نوبل انعام یافتہ پاکستانی سائنسداں، پروفیسر عبدالسّلام کو "نشانِ امتیاز" کا اعلیٰ سول اعزاز دیا۔ اسی رات کو صدر نے اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں پروفیسر عبدالسّلام کے اعزاز میں عشائیہ دیا جس میں چیف جسٹس آف پاکستان، وفاقی وزراء، سفارتی نمائندوں، ممتاز پاکستانی سائنسدانوں اور اعلیٰ سول اور فوجی حکام نے شرکت کی۔

عشائیہ سے پہلے پریذیڈنسی، راولپنڈی میں ایک خصوصی تقریب منعقد ہوئی جس میں صدر نے پروفیسر عبدالسّلام کو "نشانِ امتیاز" کا اعزاز دیا۔ اس تقریب میں وفاقی وزراء، سفارتی نمائندوں، ممتاز سائنسدانوں اور اعلیٰ حکام نے شرکت کی۔

"نشانِ امتیاز" سائنس اور آرٹس کے شعبے میں نمایاں کارکردگی پر پاکستان کا سب سے بڑا سول اعزاز ہے۔ تقریب میں پروفیسر عبدالسّلام کی خدمات کے بارے میں ایک سرکاری بیان بھی پڑھا گیا جس میں کہا گیا تھا کہ پروفیسر عبدالسّلام، جن کا پاکستان کی مٹی سے رشتہ ہے ان کے کارنامے پوری قوم کے لئے باعثِ فخر ہیں۔

عشائیے میں صدرِ مملکت کی تقریر کے بعد اپنی مختصر جوابی تقریر میں پروفیسر عبدالسّلام نے اپنی اور اپنے رفیق پاکستانی سائنسدانوں کی جانب سے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے ان اعلانات پر خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جو صدرِ مملکت نے ملک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی غرض سے کئے تھے۔ پروفیسر سلام نے کہا کہ سائنس کے ساتھ فراخدلانہ رویّہ اختیار کئے بغیر حقیقی ترقی ممکن نہیں ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

پروفیسر سلام صاحب ،

بیگم سلام صاحبہ ،

جناب جسٹس انوار الحق صاحب ،

سائنسداں برادری کے اراکین ،

خواتین وحضرات !

السّلام علیکم ۔ آج ہم یہاں اپنے ایک پاکستانی بھائی کی خدمات اور اعزاز کے اعتراف کے لئے جمع ہوئے ہیں ۔ کم از کم میرے نزدیک ڈاکٹر عبد السّلام اب کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں ۔ گزشتہ دو روز سے انکی پیشہ ورانہ قابلیّت ، ان کی تعلیم اوران کے سائنسی کارناموں کے بارے میں قریب قریب سب کچھ کہہ دیا گیا ہے ۔ انہیں ان کارناموں پر حال ہی میں نوبل انعام کا اعزاز بھی دیا گیا ہے جو ہر ایک کے لئے ، ہر پاکستانی کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز ہے اور جیسا کہ ڈاکٹر عبد السّلام نے خود مجھے بتایا ہے اور جسے آپ کو سناتے ہوئے

مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے، انہیں پاکستان سے مبارکباد کے جو پیغامات ملے ہیں ان میں سے کچھ میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ اعزاز صرف ڈاکٹر عبد السّلام کو نہیں ملا ہے بلکہ یہ اعزاز پاکستان کو ملا ہے اِس وقت مجھے احساس ہو رہا ہے کہ ڈاکٹر عبد السّلام کی کارکردگی، سائنس کے میدان میں ان کے کارناموں، سائنس کی ترقی کے لئے ان کی خدمات اور سب سے زیادہ ایٹم برائے امن کے لئے ان کی خدمات کو بیان کرنے کے لئے میرے پاس موزوں الفاظ نہیں ہیں ڈاکٹر عبدالسلام کو "ایٹم برائے امن" کے لئے کام کرنے پر نوبل انعام دیا گیا ہے، لیکن جب ضیاء الحق "ایٹم برائے امن" کی بات کرتا ہے تو اسے "اسلامی بم" سمجھا جاتا ہے۔ یہ انتہائی غلط بات ہے، لیکن ایسے موقع پر میں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔ البتہ چند اعلانات کرنا چاہتا ہوں۔ ایک اعلان تو یہ ہے کہ بیسویں صدی کی اس جدید دنیا میں جب کہ پندرھویں صدی ہجری کا آغاز بھی ہو رہا ہے، سائنس کی ترقی کے لئے ایک پروگرام پر عمل کیا جائے گا اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ حکومتِ پاکستان اپنے بجٹ کا کم از کم ایک فی صد حصّہ سائنس کی ترقی پر خرچ کرنے کی کوشش کرے گی۔ میں نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ جہاں تک کسی کی طرف سے سائنسدانوں کو نظر انداز کرنے کی شکایت کا تعلق ہے اور جس پر یقین کرنے کو میں تیار نہیں ہوں، لیکن بہر حال یہ شکایت اگر درست ہے تو اس کو دور کرنے کے لئے میں سائنسدانوں کو یقین دلاتا ہوں کہ جس شکل میں بھی ممکن ہو گا حکومتِ پاکستان کی طرف سے سائنسدانوں کی خدمات کا اعتراف کیا جائے گا اور ایک پاکستانی سائنس داں ڈاکٹر عبد السّلام کو نوبل انعام کا جو اعزاز ملا ہے اس سے بھی پاکستانی سائنس دانوں کی عزت اور احترام میں اضافہ ہوا ہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستانی سائنسداں علم کی تلاش کے لئے دنیا کے کسی بھی ملک کا سفر کر سکیں گے اور ان پر اس سلسلے میں کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ میں نے ڈاکٹر عبد السّلام سے ایک پاکستانی کی حیثیت سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنے انسٹی ٹیوٹ میں کچھ پاکستانی سائنسدانوں کی تربیت کے سلسلے

میں ہماری مدد کریں۔ انہیں اس ادارے میں تربیت بہرحال ملتی تھی، لیکن مجھے یہ جان کر انتہائی حیرانی ہوئی کہ خود میری حکومت کی عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے اس میں رکاوٹ پڑی۔ یہ پابندیاں غلطی سے لگا دی گئی تھیں اور میں نے ہدایت کی ہے کہ انہیں فوراً ختم کر دیا جائے۔ کوئی سائنسداں چاہے وہ امریکہ کے کسی ادارے میں داخلہ لے چاہے سوویت یونین میں داخلہ لے، کسی پر کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی بلکہ ہم ہر ممکن کوشش کریں گے کہ آپ کی مدد کی جائے۔ میں یہ اعلان بھی کرنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی شخصیت کی وجہ سے پاکستان کو جو اعزاز ملا ہے اس کے پیش نظر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کابینہ کی منظوری سے "جھنگ" میں ڈاکٹر عبدالسلام کے گھر کو ایک "قومی یادگار" قرار دے دیا جائے۔ میں کابینہ کے سامنے ایک اور تجویز یہ بھی رکھنا چاہتا ہوں کہ نوبل پرائز کے طور پر جو میڈل ڈاکٹر عبدالسلام کو دیا گیا ہے اس کے مشابہ میڈل تیار کروا کے، یہ مشابہ میڈل ڈاکٹر عبدالسلام کے نام پر اور سائنسی ترقی کے نام پر پاکستان کی پندرہ یونیورسٹیوں میں اور جھنگ کے اس اسکول میں جہاں ڈاکٹر صاحب نے تعلیم حاصل کی اور گورنمنٹ کالج لاہور جسے یہ شرف حاصل ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام وہاں کے طالب علم رہے ہیں، ان اداروں کے طلبہ کو بھی دیئے جائیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ یہ نوبل میڈل بالآخر ایک دن پاکستان آئے گا، لیکن فی الحال ہم اس میڈل کو ان کے پاس ہی رہنے دینا چاہتے ہیں۔ ہم اس میڈل کو ان کے پاس ہی رہنے دیں گے تاکہ یاد رہے کہ وہ نہ صرف ایک سائنسداں ہیں بلکہ وہ ایک سچے پاکستانی سائنسداں ہیں اور اس حیثیت سے ان سے درخواست کریں گے کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے لئے اور ایٹمی توانائی کے پر امن استعمال کے لئے اس تحقیقی پروگرام پر بھی کچھ توجہ دیتے رہیں گے جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ مجھے یہ بیان کرتے ہوئے بھی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ جیسا کہ ڈاکٹر عبدالسلام پہلے اعلان کر چکے ہیں، نوبل انعام کے ساتھ جو رقم ہے اور جس کی مالیت چھ لاکھ روپے سے زیادہ بنتی ہے، وہ رقم انہوں نے ضلع جھنگ میں جہاں

کے وہ رہنے والے ہیں، وہاں تعلیم کی ترقی پر صرف کرنے کے لئے بطور عطیہ دے دی ہے۔ میں جھنگ کے شہریوں کی طرف سے، حکومتِ پاکستان کی طرف سے اور خود اپنی طرف سے اس عطیہ پر ڈاکٹر عبد السلام کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ پاکستان میں سائنس کی ترقی کے لئے ہمیں ان کی مدد اور تعاون حاصل رہے گا۔

خواتین و حضرات! اب روایت کے مطابق میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ اظہارِ مسرت میں شامل ہوں ڈاکٹر عبد السّلام کی بہترین صحت کے لئے، ان کی درازئ عمر کے لئے اور سائنس کے میدان میں ان کی مسلسل ترقی کے لئے۔ ہماری آرزو ہے کہ ڈاکٹر عبد السّلام کو، بیگم عبد السّلام کو، ان کے بھائیوں کو اور ڈاکٹر صاحب کے ان اساتذہ کو جو اس موقع پر ان کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور جن میں سے کچھ آج یہاں موجود ہیں، دنیا کی بہترین نعمتیں حاصل ہوں۔ ہم دعا کرتے ہیں پاکستانی سائنسدانوں کی صحت کے لئے اور ان تمام خواتین و حضرات کے لئے جو آج اس تقریب میں موجود ہیں۔ شکریہ!

پاکستان پائندہ باد

پریس کانفرنس سے خطاب

۲۶ دسمبر ۱۹۷۹ء

۲۶ دسمبر کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق سعودی عرب کے تین روزہ دورے سے وطن واپس پہنچے تو اسلام آباد ایئرپورٹ پر انہوں نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس دورے میں کئی وفاقی وزیر بھی صدر کے ساتھ پاکستانی وفد میں شامل تھے۔ صدر ۲۴ دسمبر کو سعودی عرب پہنچے تھے۔

خانہ کعبہ کو منحرف افراد سے خالی کروانے اور اس کے متاثرہ حصوں کی ابتدائی مرمت کے بعد، صدر جنرل محمد ضیاء الحق پہلے غیر ملکی سربراہ مملکت تھے جنہیں عمرہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ صدر ضیاء الحق کے ساتھ ان کے وفد کے ارکان نے بھی عمرہ ادا کیا۔

پریس کانفرنس میں ملکی اور غیر ملکی پریس کے نمائندے موجود تھے۔ صدر ضیاء الحق نے اپنے ابتدائی خطاب میں بتایا کہ میرے اس دورے کا مقصد یہ تھا کہ سعودی حکومت اور سعودی مسلح افواج نے جس خوش اسلوبی سے حرم شریف کو منحرف افراد سے خالی کرایا اس پر پاکستانی عوام کے دلی جذبات اور اپنے ذاتی احساسات سے سعودی فرمانروا شاہ خالد کو خود وہاں جا کر آگاہ کروں۔ صدرِ مملکت نے خانہ کعبہ کی اندرونی حالت سے بھی آگاہ کیا اور کہا کہ حرم شریف کو معمولی سا نقصان پہنچا ہے اور اس کی مرمت ہو رہی ہے۔

ابتدائی خطاب کے بعد صدر نے اخبار نویسوں کو سوالوں کی دعوت دی اور ان کے مناسب جواب دیئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

صحافی حضرات!

السلام علیکم۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں سعودی عرب کے تین روز کے دورے کے بعد واپس آیا ہوں۔ میرے وہاں جانے کے مقصد سے بھی آپ کو آگاہی ہو چکی ہوگی۔ سعودی عرب اور پاکستان کے تعلقات ایسے بہترین تعلقات ہیں کہ دوسرے ممالک کے لئے مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پچھلے دنوں خانہ کعبہ کا سانحہ ہوا۔ سعودی حکومت اور مسلح افواج جس احسن طریقے سے اس معاملہ سے عہدہ برآ ہوئیں وہ بھی آپ کے علم میں ہے۔ پاکستان میں اس سانحہ کا جو شدید ردّ عمل ہوا اس سے بھی آپ واقف ہیں۔ ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اس معاملہ کے خوشگوار حل پر پاکستان کے عوام، حکومت اور خود اپنے جذبات اور نیک خواہشات میں ذاتی طور پر بادشاہ سلامت شاہ خالد اور سعودی حکومت کو پہنچانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے حکم دیا کہ ۲۴ تاریخ کو آجاؤ اس طرح میں سعودی حکومت کی دعوت پر وہاں گیا تھا۔

خانہ کعبہ کے سانحہ کے بارے میں آپ نے بہت کچھ سن لیا ہے ۔ سعودی حکومت نے ساری دنیا کو اس کی تفصیلات سے آگاہ کیا ہے اور پاکستان کے اخبارات اور ابلاغِ عامہ کے دیگر ذرائع نے اسے تفصیل سے شائع کیا ہے ۔ میرا اور میرے وفد کا وہاں جس گرم جوشی سے خیر مقدم کیا گیا میں اس کے لئے سعودی حکومت اور عوام کا مشکور ہوں۔ اس کا اظہار میں وہاں ملاقاتوں میں بھی کر آیا ہوں اور اب ایک بار پھر کر رہا ہوں ۔ وہاں میری عمد شاہ سلامت سے بھی ملاقات ہوئی اور کچھ دیر ان سے گفتگو ہوئی ۔ ان کے ہم پر بہت کرم ہیں ۔ اس کا بھی مشکور ہوں اس کے بعد جناب ولی عہد شہزادہ فہد سے میری تفصیلی بات چیت ہوئی ۔ باہمی دلچسپی کے تمام موضوعات پر تفصیل سے گفتگو ہوئی چونکہ وہاں مجھے عمرہ ادا کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی ۔ خانہ کعبہ کو دوبارہ دیکھنا نصیب ہوا اس لئے خانہ کعبہ کے سانحہ کے اثرات کے بارے میں آپ کے سوالات کے جواب دے سکوں گا ۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بیت اللہ کو توکوئی نقصان نہیں پہنچا ۔ نہایت معمولی نقصان ہے جس کی مرمت شروع کر دی گئی ہے ۔ انشاء اللہ جلد ہی مکمل ہو جائے گی ۔

اس کے بعد میں نے مدینہ منورہ کی زیارت کی ۔ طائف بھی گیا جہاں میں نے پی آئی اے کے طیارے کے حادثہ کے شہداء کی قبروں پر فاتحہ بھی پڑھی ۔ گورنر طائف، سعودی حکام اور وہاں موجود پاکستانی نمائندوں نے اس طرح ہماری مدد کی جس کی توقع نہیں کی جا سکتی ان سب کا میں نے فرداً فرداً شکریہ ادا کیا ہے ۔ آپ کے کوئی سوالات ہوں تو میں بصد شوق ان کا جواب دینے کو تیار ہوں البتہ ایک گزارش ہے کہ ملک کی اندرونی صورتِ حال کے بارے میں سوالات آئندہ ملاقات تک ملتوی کر دیئے جائیں ۔

سوال : جنابِ عالی آپ نے فرمایا کہ آپ نے حالیہ دورے میں سعودی حکومت کا شکریہ ادا کیا کیا ان کی طرف سے کچھ نئے کرم بھی ہوئے ہیں ؟

جواب: سعودی عرب کی عنایات اور اکرام تو ہمیشہ ہم پر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی ایسی نئی بات نہیں ہوئی جو قابلِ ذکر ہو۔ البتہ میں آپ کو یہ یاد کرا رہا تھا کہ سعودی عرب اور پاکستان کے تعلقات قابلِ فخر ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔

سوال: سعودی عرب کے نئے کرم کی جو بات ہے کیا اس کا اور آغا شاہی کے دورۂ ایران کا آپس میں کوئی تعلق ہے؟

جواب: ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ آغا شاہی صاحب کا دورہ پہلے سے طے تھا۔ انہیں ایران کی طرف سے دعوت تھی۔ ۲۴ اور ۲۵ تاریخ کو سعودی عرب میں میری بات چیت ہو رہی تھی۔ اس کے بعد مجھے مدینہ منورہ اور طائف جانا تھا اور آغا شاہی کا ایران جانا ضروری تھا اس لئے وہ وہاں چلے گئے۔ ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔

سوال: شاہ خالد اور آپ کے درمیان باہمی دلچسپی کے کن کن امور پر تبادلہ خیال ہوا؟

جواب: بادشاہ سلامت کے ساتھ اور پھر خاص طور پر شہزادہ فہد کے ساتھ دونوں ملکوں کے آپس کے تعلقات، بین الاقوامی صورت حال، مشرقی خطے کے حالات اور اسلامی دنیا کی صورتِ حال پر تبادلہ خیال ہوا، خاص طور پر ان موضوعات پر جن کا سعودی عرب اور پاکستان کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ کوئی ایسا پہلو نہیں تھا جس پر ہم نے تبادلہ خیال نہ کیا ہو اسلامی کانفرنس، واقعہ خانہ کعبہ پر اسلامی ملکوں کا ردّعمل، اسلامی ممالک کا باہمی اتحاد ان تمام امور پر مفید مذاکرات ہوئے۔

سوال: خانہ کعبہ میں جو کچھ ہوا اسے ہم سیاسی مسئلہ کہہ سکتے ہیں یا یہ مذہبی جنون کا نتیجہ ہے؟

جواب: دیکھئے جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے وہاں جانے سے پہلے، وہاں جانے کے بعد، وہاں قیام کے دوران جو کچھ انہوں نے بتایا ہے اور جو کچھ دوسرے لوگوں نے بتایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکے پسِ پردہ نہ تو کوئی اندرونی سیاسی مسئلہ ہے اور نہ اس میں

کسی بیرونی طاقت کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ اسے ایک مذہبی جنون کہہ لیجئے۔ اسے کچھ اور کہنا میرے خیال میں مناسب نہ ہوگا۔

سوال: جس طریقہ سے سعودی حکومت نے باغیوں سے حرم کو پاک کیا ہے اس کے بارے میں آپ کا ذاتی تاثر کیا ہے؟

جواب: میرا ذاتی تاثر یہ ہے اور یہی میرے وفد کا ہے کہ جس احسن طریقے سے سعودی حکومت سعودی حکام اور سعودی مسلح افواج نے اس کام کو انجام دیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔

سوال: ایک افواہ یہ ہے کہ ایران میں امریکہ کے یرغمالیوں کے معاملہ سے آپ کے دورے کا خاصا قریبی تعلق ہے۔ آپ اس سلسلہ میں کیا فرمائیں گے؟

جواب: آپ نے پہلے ہی فرما دیا کہ یہ افواہ ہے۔ میں افواہیں بالکل نہیں سنتا۔ یہ سراسر قیاس آرائی ہے۔ میرے دورے کا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

سوال: یہ جو کعبہ شریف کے بارے میں خبریں آئی تھیں کہ وہاں کافی نقصان ہوا ہے۔ آنسو گیس کے گولے وغیرہ پھینکے گئے ہیں۔ کچھ حجاج کرام نے بھی بتایا ہے کہ خانہ کعبہ کی عمارت کو کافی نقصان پہنچا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے کیونکہ آپ تو عمارت دیکھ آئے ہیں؟

جواب: جی بالکل نہیں۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے بیت اللہ کو تو کسی قسم کی کوئی خراش تک نہیں آئی۔ البتہ صفا اور مروہ کی دیواروں پر کچھ گولیوں کے نشانات ہیں۔ میں اس روز رات کو خانہ کعبہ میں کافی دیر رہا ہوں۔ میں نے میناروں کے اوپر چڑھ کر نہیں دیکھا لیکن جو عام آدمی طواف کرتے وقت دیکھ سکتا ہے میں نے دیکھا ہے کم از کم ہمارے دیکھنے میں اتنا زیادہ کوئی نقصان نہیں آیا جیسا کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے بتایا ہے اور جو نقصان ہوا ہے اس کی مرمت شروع ہو گئی ہے۔

سوال : اس سلسلہ میں کیا تدابیر اختیار کی گئی ہیں کہ آئندہ ایسا واقعہ رونما نہ ہو ؟

جواب : اس سلسلہ میں نہ مَیں نے خود کچھ سوچا ہے اور نہ ان سے کوئی سوال کیا ہے۔ میرے عقیدہ کے مطابق بلکہ تمام دنیائے اسلام کے عقیدہ کے مطابق وہ خادم حرمین الشریفین ہیں اس کی حفاظت ان کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔ خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کو دیکھ کر میرا یہ عقیدہ اور مضبوط ہوا ہے کہ دونوں مقامات اللہ تعالیٰ کے متبرک مقامات ہیں جنہیں ہم بیت الحرام کہتے ہیں ان کی حفاظت کی ذمہ داری تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی ہے انہیں انسان کیا بچائے گا۔ تاہم نہ میں نے اس بارے میں کچھ سوچا ہے اور نہ ان سے کوئی بات کی ہے لیکن یہ ان کی ذمہ داری ہے اور ہمیں امید ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے نبھائیں گے۔

سوال : خانہ کعبہ کو جو نقصان پہنچا ہے کیا اس سلسلہ میں آپ نے کوئی خدمات پیش کی ہیں ؟

جواب : نہیں۔ اس ملاقات میں مَیں نے ایسی کوئی پیش کش نہیں کی۔

سوال : چودھویں صدی کے اختتام پر اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد کے بارے میں آپ کی کوئی گفتگو ہوئی ؟

جواب : چودھویں صدی کے اختتام کا تو کوئی خاص ذکر نہیں ہوا۔ آج کے اخبارات (میں نے سعودی گزٹ وغیرہ دیکھے ہیں) کے مطابق ۱۹۸۳ء کے آخر تک اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد کا امکان ہے۔

سوال : جنابِ والا کیا اسلامی بلاک کے قیام کے بارے میں بھی کوئی بات ہوئی ؟ آپ نے پہلے بھی اس رائے سے اتفاق کیا ہے کہ اسلامی ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونا چاہیئے ؟

جواب : شہزادہ فہد کے ساتھ گفتگو کے دوران اس موضوع پر سیر حاصل تبادلہ خیال ہوا۔ انہوں

نے اپنا نقطۂ نظر بتایا۔ میں نے بھی اپنی گزارشات پیش کیں۔ دونوں کے خیالات ملتے جلتے ہیں۔ اس سلسلہ میں تمام اسلامی ممالک جتنی بھی کوشش کر سکیں کم ہو گی۔

سوال: کیا آپ نے اس تحقیقاتی کمیٹی کے ارکان سے بھی ملاقات کی جو طائف میں پی آئی اے کے طیارے کے حادثہ کی تحقیقات کے لئے مقرر کی گئی ہے؟

جواب: نہیں اس کمیٹی کے ارکان سے میں نے ملاقات نہیں کی۔ تاہم اس حادثہ کی تحقیقات جس طرح آگے بڑھ رہی ہیں، اس کی مرحلہ وار رپورٹ مجھے وقتاً فوقتاً پی آئی اے کے چیئرمین اور حکام دیتے رہتے ہیں۔ اس تحقیقات کی رپورٹ آخری مراحل مکمل ہونے کے بعد آئے گی تاہم تاحال ایسی کوئی خاص بات سامنے نہیں آئی جس سے میں آپ کو مطلع کر سکوں۔

سوال: شاہ خالد اور شہزادہ فہد کے ساتھ آپ کی جو گفتگو ہوئی کیا اس میں امریکہ اور ایران کے تعلقات بھی زیرِ بحث آئے؟

جواب: آپ خیال آرائی کچھ زیادہ کر رہے ہیں جیسا کہ میں نے کہا ہے ایران اسلامی ملک ہے اس اعتبار سے ایران کا ذکر بڑے زور شور سے آیا۔ ایران کا جو اندرونی معاملہ ہے وہ ایران کی ذمہ داری ہے۔ ایران میں جو اسلامی انقلاب آیا ہے اس کا تعلق تمام اسلامی ممالک سے ہے اور سعودی عرب تو اسلام کے معاملے میں سب سے آگے ہے اس پہلو سے ضرور ذکر ہوا۔ البتہ امریکہ کا کوئی خاص ذکر نہیں ہوا نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔

سوال: جنابِ عالی! آغا شاہی صاحب کی اچانک ایران روانگی؟

جواب: میں کہہ چکا ہوں کہ ان کا دورہ پہلے سے طے ہو چکا تھا۔ وہ حکومت ایران کی دعوت پر وہاں گئے۔

سوال : کیا خلیج کے تحفظ کے بارے میں بھی کوئی بات ہوئی اور اگر آئندہ ایسے مذاکرات ہوں گے تو کیا آپ کو بھی دعوت دی جائے گی ؟

جواب : جی نہیں۔ اس قسم کے خصوصی موضوعات پر کوئی بات نہیں ہوئی۔

سوال : آپ کے وفد میں پانچ وزراء بھی تھے ؟

جواب : میں سوچ رہا تھا کہ کسی نے پوچھا نہیں کہ ہم ساری کابینہ کو کیوں نہیں لے گئے۔ مقصد محض یہ تھا کہ نہ صرف حکومت کی بلکہ عوام کے جذبات کی بھی ترجمانی ہو۔ میری قیادت میں اعلیٰ سطح کا وفد جائے اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وزراء کا انتخاب کیا گیا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

سوال : حال ہی میں تیل کی جو قیمتیں بڑھی ہیں ان کے بارے میں بھی بات چیت ہوئی ؟

جواب : اس بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔

سوال : جناب سعودی عرب میں بہت سے پاکستانی آباد ہیں کیا آپ ان سے ملے اور ان کے مسائل آپ نے سُنے ؟

جواب : اس بار کچھ لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ان کے مسائل کچھ اس قسم کے ہیں کہ حکومتِ پاکستان سب کا حل پیش نہیں کر سکتی۔ اور بعض مسائل ایسے ہیں کہ مثال کے طور پر وہ لوگ جو بغیر ویزا کے وہاں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اب بتایئے ان کے بارے میں کیا کیا جائے ؟ کیا میں یہ کہوں کہ ان کو نہ نکالیئے ؟ اور وہ کہیں کہ آج اتنے غیر قانونی طور پر آ گئے ہیں اور اس کے بعد مزید لوگ وہاں چلے جائیں۔ تاہم آپ کو معلوم ہو گا کہ جنرل چشتی صاحب پچھلے دنوں وہاں ہو کر آئے ہیں۔ انہوں نے وہاں جو پاکستانی کاروبار کر رہے ہیں، ملازمت کر رہے ہیں یا خدمات انجام دے رہے ہیں ان کے بارے میں جائزہ لیا ہے اور حکومت نے بعض ایسے اقدامات کئے ہیں

جن کے باعث ان کے حالات بہتر ہونے کی امید ہے۔

میرے خیال میں اب آپ حضرات کے سوال بھی ختم ہو گئے ہیں۔ میں آپ کا مشکور ہوں۔

پاکستان پائندہ باد

پاکستان سائنس کانفرنس کی افتتاحی تقریب سے خطاب

۲۹ دسمبر ۱۹۷۹ء

۲۹ دسمبر ۱۹۷۹ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے لاہور میں کل پاکستان سائنس کانفرنس کے چھبیسویں اور ستائیسویں مشترکہ سالانہ اجلاس کا افتتاح کیا۔

پاکستان ایسوسی ایشن برائے فروغ سائنس کے نومنتخب صدر اور وفاقی وزارت تعلیم کے سیکرٹری پروفیسر ایم۔ اے۔ قاضی نے "سائنس اور ٹیکنالوجی میں عالم اسلام کی ضروریات" کے موضوع پر کلیدی مقالہ پڑھا۔ انہوں نے کہا کہ عالم اسلام کو انتہائی مفید باہمی تعاون کے فوری مواقع جس شعبے میں میسر ہیں وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا شعبہ ہے۔ انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ کسی بھی اسلامی ملک میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایک یونیورسٹی عالم اسلام کے مشترکہ منصوبے کے طور پر قائم کی جائے انہوں نے کہا کہ اس یونیورسٹی کو جو جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کے لئے وقف ہوگی بہترین آلات وسامان سے لیس کیا جائے اور بھرپور وسائل دیئے جائیں تاکہ اس یونیورسٹی میں نظری اور اطلاقی سائنس میں اعلیٰ ترین سطح کا تحقیقی کام ہو سکے۔

اس سے پہلے یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور کے وائس چانسلر ڈاکٹر اے۔ ایچ۔ قریشی نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا اور بتایا کہ ملتان یا فیصل آباد میں اس یونیورسٹی کا ایک اور کیمپس قائم کرنے کا منصوبہ زیر غور ہے۔

اس پانچ روزہ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں پنجاب کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل ایم۔ سوار خان، نوبل انعام یافتہ پاکستانی سائنسداں پروفیسر عبدالسلام اور ممتاز پاکستانی اور غیر ملکی سائنسدانوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

معزّز خواتین و حضرات!

السّلام علیکم۔ سائنس کی ترویج و ترقی میں میری دلچسپی کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس مہینے سائنس سے متعلق یہ پانچویں تقریب ہے جس میں مَیں شریک ہو رہا ہوں۔ اس کانفرنس کا افتتاح میرے لئے باعث خوشی اور وجہ افتخار ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ دیگر تقریبوں کی طرح یہ پانچ روزہ کانفرنس بھی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کیلئے مفید ثابت ہوگی۔

میں اس کانفرنس میں غیر ملکی مندوبین کو خاص طور پر خوش آمدید کہتا ہوں اور توقع رکھتا ہوں کہ ان کی موجودگی سے نہ صرف اس کانفرنس کے وقار میں اضافہ ہوگا بلکہ اس کے نتائج کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔ مجھے اُمید ہے کہ پاکستان میں ان کا قیام خوشگوار رہے گا۔

سب سے پہلے میں اس بنیادی نظریئے کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ سائنس اور مذہب، خاص طور پر سائنس اور مذہب اسلام ——— کے درمیان کسی طرح کا کوئی تضاد، تقابل یا تصادم نہیں پایا جاتا۔ قرآن حکیم کی کئی آیات اور رسولِ مقبول محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کئی حدیثیں

اس بات کی گواہ ہیں کہ اسلام میں نہ صرف حصولِ علم کی پوری پوری اجازت ہے بلکہ تمام اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو علم حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ آپ نے حال ہی میں ایک تشریح میں سنا اور پڑھا ہوگا کہ لغوی لحاظ سے سائنس کے معنی "علم" اور "علم" کے معنی "سائنس" ہیں اور مبصّر نے تو یہاں تک کہہ دیا، بقول ان کے پوری عربی زبان میں سائنس کے لئے کوئی علیحدہ لفظ ہے ہی نہیں۔ اس کے علاوہ اسلام میں جگہ جگہ "آفاق"، "کائنات" اور "مخلوق" پر فکر و تدبّر کی دعوت دی گئی ہے۔ کائنات کے اسرار و رموز میں جہاں روحانیت اور اخلاقیات کے طالب علموں کے لئے کئی پہلو مضمر ہیں وہاں سائنسدانوں کے لئے بھی ان میں واضح اشارے موجود ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں سائنس ترقی کرتی جائے گی، انسان کو نہ صرف اسرارِ قدرت کا بہتر ادراک ہوتا جائے گا بلکہ قدرت کے کئی اصولوں کی سائنسی تصدیق بھی ہوتی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا قائم کردہ نظامِ قدرت سائنسی تحقیق و تصدیق کا محتاج نہیں، لیکن ہم سائنس کے ذریعے قدرت کے اسرار سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے بہتر بندے ثابت ہو سکتے ہیں۔

اسلام کی ہدایت کے عین مطابق زمانۂ قدیم میں کئی مسلمانوں نے سائنس کے حصول کی طرف توجہ دی اور قلیل عرصے میں ان کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ آٹھویں سے گیارھویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کا وہ سنہری دور تھا جب اسلام کی اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی حکمت و فضیلت کا لوہا بھی مانا گیا۔ آج بھی تاریخ عالم ان کے علمی کارناموں کی معترف اور بنی نوع انسان اپنی ترقی کے لئے ان کی مرہونِ منت ہے۔

اسلاف کے ان کارناموں کی یاد بے شک ایک اچھی بات ہے، لیکن ان کے یہ عظیم کارنامے صرف اسی صورت میں ہمارے لئے سود مند ہو سکتے ہیں کہ ہم انہیں سائنسی علوم کے حصول کے لئے ترغیب و تحریک کا ذریعہ سمجھیں اور عظمتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے اپنی کوششیں تیز تر کر دیں۔

سائنس اور مذہب کا ذکر کرتے ہوئے شاید یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ سائنسدانوں کا کام انسانی ترقی کی منزل متعین کرنا نہیں بلکہ اسے حاصل کرنے کے ذرائع مہیا کرنا ہے۔ اسلام پہلے ہی تخلیقِ کائنات کے مقاصد اور انسانی جدوجہد کی منازل کا تعین کر چکا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی ترقی کا صحیح پیمانہ انسان کی روحانی عظمت ہے جو اسے خالق کی رضا سے ہم آہنگ کرتی ہے اور ہر وہ انسان جو اس کی رضا کو حاصل کرنے میں زیادہ کامیاب ہوتا ہے، زیادہ مہذب اور زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ اس معراج کو حاصل کرنے لئے سائنس کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو نئے سے نئے وسائل اور ذرائع مہیا کرے۔

معزّز حاضرین! سائنس ایک قوّت ہے جس کی باگ نیک صفت انسانوں کے ہاتھ میں رہے تو وہ رحمت اور بُرے لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے تو لعنت ہے۔ سائنس اور اس کی ایجادات جب تک انسانی بہبود کا ذریعہ رہیں گی، سائنسداں بنی نوع انسان کے محسن اور ان کے کارنامے سچائی اور نیکی کے کارنامے تصوّر کئے جائیں گے۔ لیکن اگر سائنسداں اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال کر اجتماعی خودکشی کے ذرائع پیدا کرتے رہے تو تاریخِ عالم انہیں ہرگز عزّت کا مقام نہیں دے گی۔ لہٰذا میری یہ خواہش ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو بنی نوع انسان کی اجتماعی خودکشی کی بجائے فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جائے اور اس کرۂ ارضی کو جلد سے جلد بیماری، افلاس اور پسماندگی جیسی لعنتوں سے نجات دلائی جائے۔

اس کام کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ سائنسداں اپنے علم کو مثبت مقاصد کے لئے استعمال کریں وہاں یہ بھی لازم ہے کہ انسانی فلاح و بہبود کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ میں تمام بین الاقوامی رکاوٹیں دور کی جائیں، جو ملک سائنسی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں انہیں آگے بڑھنے میں مدد دی جائے اور جو ملک اس میدان میں آگے بڑھ گئے ہیں وہ سائنسی علوم پر اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کی بجائے انہیں ترقی پذیر ممالک تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ کم از کم علم و ہنر

کے لحاظ سے تمام بنی نوع انسان ایک برادری کی حیثیت رکھتی ہے جس میں امیر اور غریب، اعلیٰ اور ادنیٰ یا ترقی یافتہ اور ترقی پذیر کی تفریق ہرگز جائز نہیں بلکہ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر آج کے مراعات یافتہ افراد اور ممالک نے اپنی مراعات میں دوسروں کو حصہ دار نہ بنایا تو وہ وقت دور نہیں جب مراعات یافتہ اور غیر مراعات یافتہ ملکوں میں تفریق ایک خطرناک کش مکش میں تبدیل ہو جائے گی جس سے چھٹکارا حاصل کرنا آسان نہ ہوگا۔

پاکستان کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جو صنعتی لحاظ سے نسبتاً پسماندہ ہیں۔ پاکستان اس کمی کو جلد از جلد پورا کرنا چاہتا ہے جس کے لئے وہ ایک طرف بین الاقوامی تعاون اور رہنمائی کا متمنی ہے اور دوسری جانب وہ اپنی کوششوں سے اپنے وسائل کے مطابق اپنی ترقی کی رفتار کو تیز کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ذہین افراد کی کوئی کمی نہیں۔ ہمارے بعض سائنسدانوں نے کئی شعبوں میں قابلِ فخر کارنامے انجام دیئے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا بین الاقوامی سطح پر اعتراف کرایا ہے۔ پاکستان کے ان مایۂ ناز فرزندوں میں سر فہرست پروفیسر عبدالسلام کا نام آتا ہے جنہیں اس سال طبیعات میں نوبل پرائز دیا گیا ہے۔ ان چیدہ چیدہ سائنسدانوں کے باوجود اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو پاکستان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ابھی بہت پیچھے ہے۔ ہم نہ صرف بھاری رقوم خرچ کرکے اپنی کئی ضروریاتِ زندگی باہر سے منگواتے ہیں بلکہ ہر سال جدید ٹیکنالوجی کی درآمد پر بھی کروڑوں روپے خرچ کرتے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے لئے غیر ممالک پر انحصار ہماری صنعتی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے جسے سائنسداں ہی دور کرسکتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ سائنسداں اس چیلنج کو قبول کرکے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہمارے ہاں سائنسی پسماندگی کی اہم وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں ابھی تک مستحکم سائنٹیفک بیس SCIENTIFIC BASE قائم نہیں ہوا جو قوموں کی معاشی ترقی میں "لانچنگ پیڈ" LAUNCHING PAD کا کام دیتا ہے۔ اس میں کچھ کوتاہی حکومت کی ہے اور کچھ قصور سائنسدانوں کا ہے۔ جہاں تک

موجودہ حکومت کا تعلق ہے، یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ضرورت سے پوری طرح آگاہ ہے اور اس مَد پر زیادہ سے زیادہ رقم خرچ کرنا چاہتی ہے، لیکن ہماری مشکل وسائل کی کمی ہے اور دوسرے شعبوں میں ترقی کی رفتار کو روک کر وسائل کو اس مَد پر خرچ کرنا قومی مفاد کے خلاف ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم نہایت سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں کہ اگلے مالی سال سے اپنے سالانہ بجٹ کا کم از کم ایک فی صد حصہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے وقف کیا جائے۔ انشاء اللہ اس سے سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے لئے نسبتاً بہتر وسائل مہیا ہو جائیں گے۔

سائنسدانوں کا قصور میں اس لحاظ سے سمجھتا ہوں کہ ان میں سے اکثر و بیشتر نے حالات کی مجبوری اور اپنی پست ہمّتی کا جواز بنا لیا اور بادِ مخالف کے چند تھپیڑے کھانے کے بعد ہمت ہار بیٹھے۔ بعض نے مشکل حالات سے فرار کی یہ راہ اختیار کی کہ ملک ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ جو کوالیفائڈ سائنسداں اندرونِ ملک رہ بھی گئے تو وہ اپنی صلاحیتوں کے ضیاع کا گلہ کرتے رہے۔ یہ سارا قصور سائنسداں کے اندر جستجو کی چنگاری بجھنے کا ہے کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ علم کی سچی جستجو رکھنے والے نہ کبھی مادّی ضرورتوں کے غلام ہوئے ہیں اور نہ نامساعد حالات سے تنگ آکر اپنے مشن سے دستبردار ہوئے ہیں۔

میرے خیال میں ماضی کی کوتاہیوں کا ذکر کرنے کی بجائے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم آگے کی طرف دیکھیں اور سوچیں کہ اب ملک کو مضبوط بیاسی بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لئے کیا کیا جا سکتا ہے۔ یہ سائنس کانفرنس ایک اہم قومی خدمت انجام دے گی اگر یہ مقالہ خوانی کے علاوہ اس بارے میں چند قابل عمل تجاویز مرتب کر سکے یا ایسی سفارشات تیار کر سکے جو سائنسی ترقی کی منصوبہ بندی کے کام آسکیں۔

حکومت اس سارے مسئلے پر نئے سرے سے غور کر رہی ہے اور نئی سائنس پالیسی ترتیب دے رہی ہے، لیکن ایک بات جس پر میں خاص طور پر یہاں زور دینا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو ترقی دینا درحقیقت سائنسدانوں کا کام ہے جس سے نہ وہ پہلو تہی کر سکتے ہیں

اور نہ یہ کام کوئی دوسرا شخص کر سکتا ہے۔ سائنسدانوں کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں انہیں دور کرنا حکومت کا فرض ہے۔ ان رکاوٹوں میں سے ایک بیرون ملک سائنسدانوں کے سفر پر موجودہ پابندیاں ہیں جو نرم کی جا رہی ہیں اور جہاں جہاں غیر سائنسداں اپنی کرسیوں کی وجہ سے سائنسدانوں کی پیشہ ورانہ سرگرمیوں پر نقصان دہ اثر ڈال رہے ہیں وہاں ان کا غلبہ بھی ختم کیا جا رہا ہے، لیکن حکومت کا کاروبار چلانے اور ملک کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہے کہ کسی بھی شعبے کو خواہ اس کا تعلق سائنسدانوں سے ہو یا صنعت کاروں سے، ڈاکٹروں سے ہو یا مزدوروں سے، کسی کو بھی کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی۔ قواعد و ضوابط کی پابندی سب کے لئے ضروری ہے، لیکن اس بات کا خیال ضرور رکھا جائے گا کہ سائنسی ترقی کے تمام منصوبے قواعد و ضوابط کا شکار ہو کر نہ رہ جائیں۔ ان اقدامات سے انشاءاللہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے لئے سائنسدانوں کو عنقریب ایسا ماحول میسر آجائے گا جو انہیں پہلے کبھی نصیب نہ تھا۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ سائنسداں بھی بدلے ہوئے تقاضوں کے مطابق ایک نئے جذبے اور نئی لگن کے ساتھ سائنسی ترقی کا بیڑا اٹھائیں گے اور اپنے کام کو ایک قومی فریضہ سمجھ کر انجام دیں گے۔

نیا سال شروع ہونے میں صرف دو دن باقی رہ گئے ہیں۔ اگلے سال یعنی ۱۹۸۰ء میں جب موجودہ صدی ہجری ختم اور نئی صدی ہجری شروع ہوگی، انشاءاللہ سائنسی ترقی کے نئے دور کا سال ثابت ہوگا۔ اس سال کے دوران سائنسی ترقی کے لئے خصوصی پروگرام مرتب کئے جائیں گے اور ان پر عمل درآمد کے لئے ضروری فنڈز مختص کئے جائیں گے۔ میں توقع کروں گا کہ ہمارے سائنسداں اس سال ملک میں سائنسی انقلاب لانے کی ابتدا کریں گے اور سائنسی میدان میں موجودہ کمی کو جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔

میں نے چند روز پہلے اسلام آباد میں حیاتیات وجینیات کے بین الاقوامی مذاکرے کا افتتاح کرتے ہوئے قومی کونسل برائے سائنس کے قیام کا اعلان کیا تھا۔ یہ کونسل سائنسی ترقی کے پروگرام

وضع کرنے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ میری یہ کوشش ہوگی کہ یہ کونسل جلد از جلد اپنا کام شروع کرے اور سائنسی انقلاب کا جو خواب آج ہم اس پنڈال میں دیکھ رہے ہیں اسے جلد از جلد شرمندۂ تعبیر کرنے کی کوشش کرے۔ اس سلسلے میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی یونیورسٹیاں جن میں موجودہ میزبان یونیورسٹی بھی شامل ہے مفید کام کرسکتی ہیں۔ کم از کم وہ نئے خیالات اور نئی تجاویز تیار کرسکتی ہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے لئے قومی پروگرام مرتب کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔ مجھے ان یونیورسٹیوں کی تجاویز اور اس کانفرنس کی سفارشات کا انتظار رہے گا۔

اب میں مختصراً ان چار راہنما اصولوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو حکومت سائنس، ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ سے متعلق پالیسی مرتب کرتے وقت پیش نظر رکھے گی:۔

۱۔ اندرون ملک BASIC اور APPLIED سائنس کے شعبے میں جو معلومات یا تحقیقی مواد میسر ہے، اسے پاکستان کے ترقیاتی کاموں میں ہر سطح پر استعمال میں لایا جائے گا۔ افرادی اور مالی وسائل حتی الامکان بین الاقوامی معیار کے مطابق ہوں گے اور پاکستان کے سائنس داں اپنی بین الاقوامی برادری سے الگ تھلگ یا بے تعلق محسوس نہیں کریں گے۔

۲۔ ترقیاتی منصوبہ بندی کے مختلف مراحل پر سائنس اور ٹیکنالوجی کے ماہرین سے مشورہ کیا جائے گا اور ان کے علم سے استفادہ کیا جائے گا۔

۳۔ یونیورسٹیوں، صنعتی اداروں اور گورنمنٹ لیبارٹریوں میں سائنس کی ترقی و تحقیق کے مراکز قائم کئے جائیں گے اور ان مراکز میں تحقیق سے حاصل شدہ معلومات ملکی ترقی کے لئے استعمال کی جائیں گی۔

اس سلسلے میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ رقم سائنسی تحقیق و ترقی کے لئے قرضوں اور وظائف پر خرچ کی جائے گی۔

۴۔ مجموعی طور پر ملک میں سائنسی ترقی کا احساس اور سائنسدانوں کے لئے ساز گار ماحول پیدا کیا جائے گا۔

قومی زندگی کے جن شعبوں سے سائنس اور ٹیکنالوجی کا گہرا تعلق ہے ان میں اگلے دس سال کے دوران حکومت کی ترجیحات PRIORITIES یہ ہوں گی :۔

۱۔ زراعت ــــــ خاص طور پر پانی کے وسائل اور دوسرے زرعی ذرائع یا AGRICULTURAL INPUTS کو بہتر بنانا۔

۲۔ انرجی ــــــ جس میں معدنی ذخائر سے استفادہ کرنا بھی شامل ہے۔

۳۔ صنعت ــــــ کو سائنسی بنیادوں پر مستحکم کرنا اور

۴۔ آبادی سے متعلق پالیسی مرتب کرتے وقت سائنسی معلومات سے فائدہ اٹھانا۔

۵۔ سائنسی تعلیم اور تحقیق۔

میں ایک بار پھر اس کانفرنس کی انتظامیہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے ملکی اور غیر ملکی سائنس دانوں کے اس منتخب اجتماع تک مجھے اپنے خیالات پہنچانے کا موقع دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ آمین۔

پاکستان پائندہ باد

اشاریہ

شائع کردہ
محکمۂ فلم و مطبوعات
وزارتِ اطلاعات و نشریات
حکومتِ پاکستان،
اسلام آباد

برق سنز پرنٹرز لمیٹڈ، اسلام آباد